



مقررین و مصنفین کے لیے قابل قدر تحفہ

آداب

تقریر و تصنیف

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ کتاب گھر

الکرنی مارکیٹ ۵ اردو بازار لاہور

مقدمین و مصنفین کے لیے قابل قدر تحفہ

آداب تقریر و تصنیف

افکادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد زبید نظامی ندوی

ناشر

مکہ کتاب گھر، دوسری منزل، ارمو بازار لاہور
الکریو مارکیٹ

نام کتاب : _____ آدابِ تقریر و تصنیف

افادات : _____ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

مرتب : _____ مفتی محمد زید مظاہری ندوی

مطبع : _____ حاج حنیف اینڈ سنز پرنٹرز۔ لاہور

اشاعت : _____ اکتوبر ۱۹۹۶ء

زیرنگرافی : _____ عبدالوحید اشرفی۔ محمد مشتاق

ناشر : _____ مکہ کتاب گھر دوسری منزل الکیم پارکیٹ

حق سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

قیمت : _____

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

آداب تقریر و تصنیف ————— آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ پاک نے حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے دین کا جو عظیم الشان کام لیا اسی کا کرشمہ ہے کہ ان کے کئے ہوئے کام اور ان کے حالات و برکات سے نجانے کتنے گلدستے تیار ہوئے اور کتنے تیار ہوں گے۔ یہ گلدستہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔

اللہ پاک جناب مفتی محمد زید صاحب (ایڈیا) کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے یکسرے ہوئے پھولوں کو یکجا کر کے یہ مسکتا ہوا گلدستہ تیار کیا۔ لعزہ اللہ احسن الجزاء

طالب دعا محمد اسحاق

شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۲۲	ملفوظات اور سوانح عمری لکھنے والے قابلِ شکر ہیں۔	۲۲۱	زندہ شخص کی سوانح عمری لکھنے میں بے احتیاطی کے دو پہلو۔
۲۲۳	تصنیف کے مقبول ہونے کا راز تمت	۲۲۲	سوانح عمری یا ملفوظات کے بیان کردہ فقہی مسائل کی اہمیت۔

کو بھی اس میں شبہات نکال کر حرام کر دیا جائے۔ بس یہ معیار یاد رکھو کہ جس کو فقہی فتویٰ حلال کہہ دے بس وہ حلال ہے۔ (التبلیغ ص ۶۶)

واعظین کو مشورہ اور عوام کی اصلاح کا طریقہ

میں مشورہ دیتا ہوں کہ اہل تربیت، کبھی سخت تسلیم نہ کریں اگر کسی سختی کی ضرورت بھی ہو تو عنوان اس کا نرم ہونا چاہیے اس میں راز وہی ہے کہ طالب کو وحشت نہ ہو جائے اور اس کو گمراہ سمجھ کر اصل کام سے بھی نہ رہ جائے۔ اتنی تنگی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ اس کو تکلیف والا لفظ (نات بلی برداشت) سمجھ لے۔ میں بعض دفعہ دوستوں کو مستحبات کی تاکید نہیں کرتا اس وجہ سے کہ کہیں وہ تنگ ہو کر ضروریات سے بھی نہ رہ جائیں۔ اس واسطے میں کہتا ہوں کہ موقع اور محل اور مخاطب کے حالات کی رعایت کرنا نہایت ضروری ہے۔ بعض لوگ سختی کرتے ہیں اور طالبین کو مشکلات میں ڈالتے ہیں۔ میں مخاطب کی رعایت بہت کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ بعض وقت کسی کے ساتھ بہت نرمی کی جاتی ہے اور کسی فعل پر روک ٹوک نہیں کی جاتی۔ اور ظاہر اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ (التبلیغ ص ۷۷)

بڑے لوگوں اور نوابوں کی اصلاح کا طریقہ

ڈھاکہ میں شہر سے دور نواب صاحب کے باغ میں وعظ کیا تو وہاں زیادہ تر نواب کے خاندان کے لوگ واطھی منڈتے تھے میں نے کہا صاحبو! یہ تو مجھے امید نہیں کہ تم میرے کہنے سے واطھی منڈانا

چھوڑ دو گے مگر اتنا تو کر لیا کہ کہ ہر روز سوتے وقت یہ خیال کر لیا کہ بلکہ یہ کلمات بھی زبان سے چپکے چپکے حق تعالیٰ سے عرض کر لیا کہ اے اللہ یہ کام بہت بڑا ہے، اے اللہ ہم بڑے نالائق ہیں اے اللہ ہم بڑے خبیث ہیں۔

غرض اپنے آپ کو خوب ملامت کرو اس سے بہت فائدہ ہو گا۔ اور بہت جلد خود ماضی رکھوا لو گے۔ (کلمۃ الحق صفحہ ۱)

باکمال واعطا اور مقرر

جب میں کانپور میں تھا تو بعض احباب کی رائے یہ ہوئی کہ ایام عشرہ محرم میں لوگ ناجائز محفلوں میں شریک ہوتے ہیں۔ اگر آپ ان ایام میں بیان فرما دیا کریں تو مناسب ہے۔ میں نے یہ کام مشروع کیا اور سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا بیان کیا پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کا پھر حضرت عمرؓ کا۔ پھر حضرت عثمانؓ کا پھر حضرت علیؓ کا (رضی اللہ عنہم) اسی طرح بیان کرتے کرتے آخر دن حضرت امام حسینؓ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بیان کا فیہر آیا۔ اس دن میں نے قصداً یہ اہتمام کیا کہ میں اپنے بیان میں ایسے خشک الفاظ لاؤں جس سے کسی کو رونا ہی نہ آئے اگرچہ اس میں مجھے تعجب تو بہت اٹھانا پڑا۔ مگر میں نے اس کو نباہا اور یہ بھی خیال رکھا کہ میرا قلب بھی طبعاً متاثر نہ ہونے پائے۔ چنانچہ میں نے سارا بیان ختم کر دیا اور کسی کو ذرا بھی رونا نہ آیا اور پہلے دنوں میں لوگ بیان کے وقت مچھلی کی طرح تڑپا کرتے تھے اس دن بھی بہت کچھ منہ بنایا مگر کسی کو رونا نہ آیا۔ شیعہ لوگ بھی ان بیانوں میں آیا کرتے تھے۔ سب کو بڑا تعجب

ہوا کہ آج کیا کر دیا حالت ہی دوسری ہو گئی۔ (حسن الحریر صفحہ ۲۱۱ ج ۲)

حضرت تھانویؒ کا معمول

فرمایا کہ ہمیشہ وعظ تبلیغ میں میری عادت رہی ہے کہ کتنی ہی بُری بات اور لوگوں کے مذاق کے خلاف ہو مگر عنوان نہایت نرم اور حتی الامکان ایسا رکھتا ہوں کہ دل قبول کر لے۔ لوگوں کو وحشت نہ ہو۔ نفرت نہ ہو۔ دل آزار الفاظ سے ہمیشہ اجتناب کرتا تھا۔ مخالفین کے جواب میں ہمیشہ سہی معمول رہا ہے اور اسی سے نفع ہوتا ہے۔ (مجالس حکیم الامت صفحہ ۲۱۲)

حضرت تھانویؒ کا عجیب واقعہ

ایک مرتبہ ایک قصاب کی درخواست پر میں جو پور گیا انہی کے مکان پر مہمان ہوا وہاں میرے پاس ایک خط پہنچا جس پر چار چیزیں میرے متعلق لکھی تھیں۔ (۱) اڈل یہ کہ تم جاہل ہو۔ (۲) دوسرے یہ تم جھلے ہو۔ (۳) تیسرے یہ کہ تم کافر ہو۔ (۴) چوتھے یہ کہ وعظ کرنے بیٹھو تو پگڑھی سنبھال کر بیٹھنا۔ میں نے کسی سے اس خط کا تذکرہ نہیں کیا اگلے روز جب وعظ کا وقت آیا تو ممبر پر بیٹھ کر میں نے لوگوں سے کہا صاف جواباً وعظ سے پہلے مجھے آپ سے ایک مشورہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ مجھے یہ خط ملا ہے اس میں چار چیزیں ہیں۔ پہلے جزم کے متعلق تو مجھے اس لئے کچھ نہیں کہنا کہ یہ صاحب مجھے جاہل لکھتے ہیں اور میں خود اپنے جاہل ہونے کا معترف ہوں۔ اسی طرح دوسرے جزم کے متعلق بھی نہیں کہنا کیونکہ اڈل تو جلاہا ہونا کوئی عیب نہیں

اور اگر کسی درجہ میں ہو بھی تو وہ غیر اختیاری امر ہے جیسے کوئی اندھا اور
کانا ہو۔ دوسرے یہ کہ یہاں میں کوئی شادی کرنے تو نہیں آیا کہ میں
نسب کی تحقیق (بیان) کر دوں۔ تیسرے یہ کہ اگر بلا وجہ میرے نسب ہی
کی تحقیق کرنا ہو تو میں اپنے زبان سے کیا کہوں۔ میرے وطن کے عائد
سے دریافت کر لیں کہ میں جلاہا ہوں یا کون ؟

اسی طرح تیسرے جزو کے بارے میں بھی مجھے مشورہ نہیں کرنا
کیونکہ پچھلی حالت کے متعلق مجھے بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ میں
کافر تھا یا مسلمان۔ میں اس وقت تو سب کے سامنے کلمہ پڑھتا ہوں
اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ۔ اب تو مسلمان ہو گیا
اور جب تک ایمان کے خلاف کوئی بات ظاہر نہ ہو اس وقت تک مسلمان
ہی کہا جاؤں گا البتہ چوتھے جزو کے متعلق مجھے آپ حضرات سے مشورہ
کرنا ہے کہ وعظ میں میرا معمول ہمیشہ سے یہ ہے کہ بالقصد اختلافی مسائل
بیان نہیں کرتا بلکہ حتی الامکان ان سے بچتا ہوں۔ لیکن اگر دورانِ تقریر
میں کہیں آجاتے ہیں تو پھر رکنا بھی نہیں۔ البتہ عنوان اور ایسے الفاظ کا
اہتمام کرتا ہوں کہ دل آزار نہ ہوں۔ اب اگر وعظ کہوں گا تو اسی آزادی
کے ساتھ کہوں گا۔ اس کا نتیجہ پھر جو کچھ بھی ہو۔ اس لیے مشورہ طلب امر
یہ ہے کہ وعظ گوئی پیشہ تو نہیں ہے اور مجھے شوق بھی نہیں لوگوں کی
درخواست پر کہہ دیتا ہوں۔ اب اگر آپ حضرات درخواست کریں اور
مشورہ دیں تو میں کہوں ورنہ چھوڑ دوں اور فرمایا کہ آپ کو مشورہ میں
بددینے کے لئے میں خود اپنی رائے بھی ظاہر کیے دیتا ہوں وہ یہ
کہ وعظ کو سونے دیا جائے اور غالباً وہ صاحب بھی اس مجمع میں موجود
ہوں گے جن کا یہ خط ہے وہ جس جگہ کوئی ناگواری محسوس کریں اسی وقت
مجھے روک دیں۔ میں اسی وقت وعظ بند کر دوں گا یا اگر اس میں ان کو

کچھ حجاب مانع ہو تو میں آج بعد ظہر چلا جاؤں گا۔ میرے جانے کے بعد میرے
دعظ کی خوب تردید کر دیں۔

میں یہ کہہ کر خاموش ہو گیا اور لوگوں سے کہا کہ اپنی رائے بیان کریں۔ چادروں
طرف سے آوازیں آئیں کہ آپ ضرور دعظ کہیں اور آزادی سے کہیں۔ میں نے دعظ
کہا اور حسب عادت ترغیب و تہذیب اور اصول شرعیہ بیان کیے۔ پھر ضمن بعض
فردس کی بحث آئی تو اس میں بدعات و رسوم کا بھی ذکر آگیا۔ تو خوب کھل
کر بیان کیا۔ تمام مجمع محو حیرت تھا۔ دعظ ختم ہونے کے بعد ایک مولوی
صاحب نے کہا کہ مولانا ان سب بیان کی تو حاجت نہ تھی۔ میں نے کہا کہ
مجھے اسس کی خبر نہ تھی میں نے تو حاجت سمجھ کر بیان کیا۔ اگر آپ مجھے وقت
پر متنبہ فرماتے تو میں بیان نہ کرتا اب تو بیان ہو چکا ہے اس کا اور کوئی قصہ
تدارک اس کے بوا نہیں کہ آپ دوسرے وقت تردید فرمادیں کہ فلاں وقت
اس دعظ کی تردید کی جائے گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس پر کچھ نہ بولوں
گا۔ (مجالس حکیم الامت ص ۲۶۲)

غرض دعظ و تبلیغ میں میرا یہ طرز تھا کہ لوگوں کو وحشت و نفرت نہ
ہو عنوان نرم اور انداز پسند ہو۔ آج کل لوگ اس کا خیال نہیں کرتے تھے
(مجالس حکیم الامت ص ۲۶۳)

ایک ضروری تنبیہ

خواص (علماء و اعلیٰین) تک کی یہ حالت ہے کہ جب وہ کسی کے یہاں
جہان ہوتے ہیں تو کھانے کے وقت دوسروں کو بلا بلا کر کھانے میں شریک
کرتے ہیں۔ اول تو دوسرے لوگوں کو چاہیے کہ کھانے کے وقت خود ہی وہاں
سے الگ ہو جائیں لیکن اگر وہ الگ نہ ہوں تو جہان کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ سب

کو بلا کر شریک کرے۔ آخر تم کو کیا حق ہے کہ دوسرے کے دسترخوان پر اس کی اجازت کے بغیر لوگوں کو بٹھلاؤ۔ رہا یہ کہ میرزا بن اس سے خوش ہوتا ہے اس کو ناگوار نہیں ہوتا یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ہر شخص اپنے مہانوں کے انداز سے کھانا پکاتا ہے جب زیادہ آدمی بیٹھ جائیں گے تو ضرور اس کو ناگوار ہوگا اور اگر اس کو ناگوار نہ ہو تو اس کے گھر والوں کو ناگوار ہوگا کیونکہ ان کو اپنے بڑے از سر نو انتظام کرنا ہوگا۔ مگر خواص کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی وہ دسترخوان پر بیٹھ کر ساری مجلس کو بلا کر شریک کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حاضرین کو نہ بلانا۔ اور تنہا کھانا کھانا شرم کی بات ہے۔ انسوئس ان کو خدا سے شرم نہیں آتی اگر ایسی ہی شرم ہے تو ان کو بازار سے دام خرچ کر کے کھانا منگانا چاہئے۔ پھر اختیار ہے کہ جتنے آدمیوں کو چاہو بلاؤ۔ مگر انشاء اللہ جس دن ایسا کرنے کے لئے کہا جائے گا اس دن ایک کو بھی نہ بلائیں گے نہ

(التبلیغ صفحہ ۲۲۸ ج ۲۰)

انجن کے سیکرٹری نے ایک داحظ کی مجھ سے شکایت کی کہ ایک دن میں گیارہ روپے کے پان کھا گئے۔ گیارہ روپے کے پان ایک آدمی کیونکر کھا سکتا ہے یہاں کہ جتنے آدمی ان سے ملنے آئے ان سب کو خوب پان کھلانے اس وقت تو کسی نے کچھ نہ کہا مگر بعد میں زبان پر شکایت آہی گئی۔ میں نے دل میں کہا کہ آپ جو مجھ کو گریہ کے علاوہ زائد رقم دے رہے تھے اگر میں نے لیتا تو کل کو آپ میری بھی شکایت کرتے واقعی میرزا کو جب تکلف ہوتی ہے تو شکایت دل میں آتی ہی ہے۔ میں نے سفر خرچ کے ہوا کچھ نہ لیا اور گریہ بھی تیسے درجہ کا۔ وہ مجھے زائد دینے لگے میں نے انکار کر دیا۔ کھانے کے اندر بھی تکلف کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اس برتاؤ سے انجن والے بڑے خوش ہوئے۔

(التبلیغ صفحہ ۲۲۸ ج ۲۰)

حضرت حقانوی کا معمول

میری عادت ہے کہ جب میں سفر کرتا ہوں تو اپنے ساتھ صرف ایک آدمی کو لے لیتا ہوں اور داعی کو پہلے سے اس کی اطلاع کر دیتا ہوں تاکہ وہ آزاد رہے۔ داعی پر صرف میرا اور اس آدمی کا بار ہوتا ہے۔ پھر بعض دفعہ راستہ میں بعض لوگ محبت کی وجہ سے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ تو میں ان سے صاف کہہ دیتا ہوں کہ آپ اپنا انتظام خود کریں۔ جہاں میرا قیام ہو گا وہاں آپ قیام بھی نہ کریں۔ بلکہ سرائے وغیرہ میں جہاں آسانی ہو وہاں ٹھہریں۔ اور بازار سے اپنے کھانے کا انتظام کریں اور صبح و شام ملاقات کے لئے میرے پاس آجایا کریں۔ جس سے میزبان کو یہ نہ معلوم ہو کہ آپ میرے ساتھ ہیں۔ پھر وہ اگر از خود آپ کو دعوت کرے تو آپ اپنے تعلقات کو دیکھ کر دعوت منظور کریں یا رد کریں۔ میرے غفیلی بن کر کھانا نہ کھائیں۔

اور اگر میزبان مجھ سے کہنے لگتا ہے کہ آپ کے ہمراہیوں کی بھی دعوت کرنا چاہتا ہوں تو میں صاف صاف کہہ دیتا ہوں کہ میرے ساتھ کوئی نہیں ہے۔ میں نے کسی کو نہیں بلایا۔ اگر آپ نے دعوت کرنا ہو تو خود ان سے کہیے اور محض اپنے تعلقات ہی بنا پر جو چاہے کیجئے میرے اوپر اس کا احسان نہ ہو گا۔ میں ان سے کہنا نہیں چاہتا۔

میری عام عادت یہی ہے ہاں اگر کوئی بہت ہی مخلص ہوتا ہے تو وہاں میں اس قاعدہ پر عمل نہیں کرتا۔

(التبلیغ ص ۲۳۳، ص ۲۰ ج ۲۰)

باب ۶۔۔۔۔۔ ضروری اصلاحات

تحریر و تقریر کے مفاسد اور طلباء کی بد حالی

حکمرانی مدارس کے طلباء بھی نئی روشنی کے اثرات قبول کر رہے ہیں۔ پہلی سی سادگی و بے تکلفی جاتی رہی۔ وضع قطع سے مسٹر یا نیم مسٹر معلوم ہوتے ہیں نہ چہرہ پر تقویٰ کے انوار۔ نہ بات چیت میں تواضع کے آثار۔ کت ابوں میں جی نہیں لگاتے، نہ مطالعہ سے کام، نہ تکرار سبق سے سروکار، مقرر بننے کی فکر اخباروں اور پرچوں میں مضمون نگاری کی دھن۔ تاویل یہ کہ زمانہ کی ضرورت سے مجبوری ہے کہ تبلیغ کے لئے تحریر و تقریر نئے رنگ و مذاق کی ہو اس کی ضرورت مسلم، لیکن اس کے اندر جو خفیہ مفاسد ہیں ان پر اطلاع ضروری ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ ایسی تحریر و تقریر بالعموم حب جاہ پیدا کرتی ہے اور اخلاص کے رنگ کو مٹاتی ہے اور طالب علمانہ زندگی و سادگی، قلب سے دور ہو کر صرف عبارت آرائی اور دعوے ہی دعوے رہ جاتے ہیں۔

اس لئے عام طالب علم کو عموماً ایسی تقریر و تحریر اور تہی روشنی والوں کے ساتھ افادہ یا استفادہ کی نیت سے ملنے سے قطعاً روکا جائے کچھ اپنا رنگ چڑھانے کے بجائے خود ان کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

(تجدید تعلیم و تبلیغ ص ۸۲)

دو مفسدے

ایک مفسدہ جو واعظ کو پیش آتا ہے وہ بد عملی ہے۔ اس کی اصلاح کے بعد ایک اور مفسدہ عارض ہو جاتا ہے وہ یہ کہ وعظ اور عمل کے ساتھ ہی اس میں کبر و عجب بھی ہو جاتا ہے کہ میں بڑا صاحب کمال ہوں کہ اللہ میاں کے تمام حقوق ادا کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ اس کے علاج کے لئے آگے تواضع کی تعلیم فرماتے ہیں وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ یعنی اس نے یہ بھی کہا کہ میں مسلمین میں سے ہوں یہاں مقصود تواضع ہی ہے۔
(التبلیغ ص ۴ ج ۲۰)

ایک بڑا مفسدہ۔

غضب تو یہ ہو رہا ہے لیکن مبلغین (مقررین) دوسری جاہت کے مبلغین کی مذمت کر کے ان نادانانہ بے خبر مسلمانوں کو ان کا اتباع کرنے سے روک رہے ہیں۔ ارے بھائی اس وقت تو مشترک تعلیم اسلام کی ضروری ہے عقائد اور فروع کا اختلاف بھردیکھا جائے گا یا اسلام میں بھی دو حیثیت ہیں کہ میرا سکھلایا ہوا صحیح اور دوسرے کا سکھلایا ہوا باطل خیر تم ہی اسلام سکھاؤ لیکن اگر خود ہمت نہ ہو تو دوسروں کو سکھانے دو یہ کیا خرافات ہے کہ نہ خود سکھاؤ اور نہ کسی کو سکھانے دو۔
(التبلیغ ص ۴ ج ۲۰)

میں ان طالب علموں کو چوزگانا چاہتا ہوں۔ جو آج کل جدید طرز کو تقریر میں اختیار کرتے ہیں جس کی غرض زیادہ تر یہی ہے کہ جاہ اور وقعت اور عام

مقبولیت ہو۔ اسی لئے یہ کوشش ہوتی ہے کہ الفاظ پر شوکت ہوں۔ بندشیں
چُست ہوں حالانکہ اس سے خاک بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ بہت بے باکی اور آزادی سے تقریر کرنا بھی مذموم ہے چنانچہ حدیث میں ہے
الْحَيَاءُ وَالْعَنِيَّةُ شَعْبَتَانِ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْبِذَاءُ وَالْيَبَانُ شَعْبَتَانِ
مِنَ النِّفَاقِ۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیار کو ہزار کے
مقابلہ میں اور عی کو بیان کے مقابلہ میں فرمایا ہے۔ اور حیار اور عی کو
ایک ساتھ جمع کر کے ایمان کے شعبوں میں سے قرار دیا ہے اور ہزار اور
بیان کو نفاق کے شعبے قرار دیا ہے۔ اس قرینہ سے معلوم ہوا کہ عی سے
وہ عی مراد ہے جو کہ حیار کی وجہ سے ہے اور حیار فی نفع عام ہے خواہ حیار
مِنَ الْخَلْقِ ہو خواہ مِّنَ الْخَالِقِ مگر اس مقام پر مقصود حیار مِّنَ اللہ ہے یعنی ہر
لفظ پر یہ سوچے کہ کہیں شرعیت کے خلاف کوئی بات نہ نکل جائے۔
(دعوات عبدیت ص ۱۳۱ ج ۱۲)

تصحیح نیت

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ غرض بیان کے متعلق ایک حدیث بھی بیان
کر دی جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَن تَعَلَّمَ صِرْفَ
الْكَلَامِ لِيُقْبَلَ اللَّهُ مِنْهُ صِرْفًا وَلَا عَدْلًا۔ دیکھیے اس وقت نہ کوئی
اس قسم کی آنکھیں تھیں نہ مجالس کا یہ طرز تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس کا انتظام اسی وقت فرمادیا تھا کہ جو شخص کلام کے بہر پھر اس لیے سکے
کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے قلوب مسخر کرے گا تو خدا تعالیٰ اس سے
کسی نفل و فطر کو قبول نہ فرمائیں گے۔ یہ حدیث فساد غرض پر تنبیہ کرنے
کے لئے بہت کافی ہے۔ (دعوات عبدیت ص ۱۳۱ ج ۱۲)

مقررین اور واعظین کو علم کی ضرورت تقریر کے الفاظ سادہ اور آسان ہونا چاہیے

ہم نے حضرات اہل حق کو دیکھا ہے کہ ان کے سادہ الفاظ میں وہ خوبی اور دلچسپی ہوتی ہے کہ بڑے بڑے استعاروں میں نہیں ہوتی۔ یہ جتنی شستہ اور چست تقریریں کہلاتی ہیں ان کی خوبی محض نظر اول ہی تک ہے۔ اور جس قدر زیادہ غور کرتے جائیے ان کا لوچ اور لچر اور محض الفاظ کا مجموعہ ہونا ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ وہاں سرمایہ علم نہیں ہوتا۔ برخلاف اہل علم کے کہ ان کے سادہ الفاظ کی یہ حالت ہوتی ہے۔

یٰٰذَاکَ وَجْهٌ حَسَنٌ اِذَا مَا زِدْتَهُ نَظْرًا
(جس قدر تم دیکھو گے اس کا حسن بکھرتا ہی دکھائی دے گا)
میں اس وقت بعض نو جوان عربی طلبہ کو بھی دیکھتا ہوں کہ وہ بھی شریعت کی بہت باتیں چھوڑے جاتے ہیں۔ چنانچہ کبھی حنابلت تحقیق مضامین بیان کرتے ہیں۔ کہیں طرز بیان مقلدین یورپ کا اختیار کرتے ہیں اور ستم یہ ہے کہ ان کے بزرگ و اساتذہ بھی ان کو اس طرز سے نہیں روکتے بلکہ ان کے سرمایہ تقریر میں اس کو معین اور قوت پیدا کرنے والا سمجھا جاتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ علم کی تو کمی ہو گئی ہے اس لئے تلمیع (ظاہری طبع سازی) اب تاب تصنع و تکلف کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ کھری چیز پاس میں نہیں ہے اور جس کے پاس کھری چیز ہوگی اس کو تلمیع کی ضرورت کیوں ہوگی۔ پس اس کی غیر طبع تقریر کو لفظی آب و تاب نہ رکھے مگر اس میں حسن باطنی ہوتا ہے اور طبع تقریر میں گو آب و تاب ظاہری ہوتا ہے مگر

غور و فکر کے بعد وہ تمام رنگ اتر کر الفاظ ہی الفاظ رہ جاتے ہیں غرض
جن کے پاس علمی سرمایہ ہے ان کو کسی قسم کی تبلیغ کی ضرورت نہیں اور جن کے
پاس یہ نہیں وہ ہر طرح تبلیغ سے کام لیتے ہیں اور پھر بھی وہ حسن پیدا نہیں ہوتا۔
(دعواتِ عبدیت ص ۱۱، ص ۱۲ ج ۱۲)

ایسے لوگوں سے بڑا ضرر (نقصان) پہنچتا ہے جن کی ذر ذر برق تقریریں
ہندب الفاظ، شبہ بندشیں، مسلسل بیان معلوم ہوتا ہے کہ غزالی وقت خطبہ
دے رہے ہیں، پاراوی زماں بول رہے ہیں مگر علم دیکھئے تو ہدایۃ النسخہ بھی
شاید نہ پڑھی ہو۔ یہ لوگ جنہوں نے مسلمانوں کو تباہ کیا۔ خود ڈوبے اور دوسروں
کو لے ڈوبے۔ (دعواتِ عبدیت ص ۵۵ ج ۱)

جن لوگوں کو آپ عالم کہتے ہیں یہ واعظ ہیں جنہوں نے چند عربی و فارسی
کے رسلے یاد کر لیے ہیں۔ ان کو علم کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ یہ لوگ اپنے
کو علماء کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں اور جہل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ
ایک واعظ صاحب نے سورہ کوثر کا وعظ کیا اور پہلی آیت کا ترجمہ یہ
کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھ کو کوثر کے مثل دیا۔ اس احمق
نے کوئی پوچھے کہ کاف تو اعطینا کا مفعول ہے پھر مثل کس لفظ کا ترجمہ
ہے۔ (حقوق الزوجین ص ۳۲۲)

وعظ تقریر میں کیا چیز زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

بڑے زمان سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ قلب کے اندر کوئی بات پیدا
نہ ہو اور دل میں پیدا نہیں ہوتی جب تک کہ صحبت نہ ہو اس لیے صحبت کے
بڑی ضرورت ہے خواہ کتابیں تھوڑی ہی پڑھائی جائیں مگر صحبت (صالح)
زیادہ ہو۔ (حقوق الزوجین ص ۳۲۲)

مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی کتاب دیکھ کر دغظ فرمایا کرتے تھے مگر مجمع پر
حیثیت انگیز اثر ہوتا تھا۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا جب میں کوئی بات
کہتا ہوں تو میری دلی تمنا یہ ہوتی ہے کہ سب کے سب اس کے مطابق کام کرنے
لگیں یہ بالکل صحیح ہے۔

دعظ نصیحت کے موثر ہوتے ہیں واعظ و ناصح کا خیر خواہ اور دل سے
اصلاح کا طالب ہونا سب سے زیادہ اہم شرط ہے۔ (مجلس حکیم الامت ص ۱۳۳)

ایک حکایت

اہل اللہ کی تقریر میں بھی ایک فود ہوتا ہے جو غیر اللہ کے کلام میں نہیں ہوتا۔
ایک بزرگ کے صاحبزادے تحصیل علم کے لئے کہیں باہر گئے۔ جب وہ فارغ
ہو کر واپس ہوئے اور لوہے عالم ہو گئے تو اپنے والد صاحب کے پاس آئے
انہوں نے ان سے فرمایا کہ تم دغظ کہو۔ چنانچہ صاحبزادے نے دغظ کہا اور بڑے
بڑے عالی مضامین بیان کیے مگر کسی پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ جب دغظ کہہ چکے تو ان
کے والد صاحب ممبر بہر شریف لائے اور دغظ سے پہلے انہوں نے اپنا واقعہ اسی
رات کا بیان فرمایا کہ رات کو ہم نے روزہ کی نیت کی تھی سحری کے لئے کچھ
دودھ رکھ دیا تھا مگر ملی آئی اور سارا دودھ پی گئی بس اتنا ہی بیان فرمایا تھا
کہ ساری مجلس تر پٹے پینے لگی۔ اس کے بعد ان بزرگ نے اپنے صاحبزادے
سے فرمایا کہ صاحبزادے سننے والے پر قلب کا اثر پڑا کرتا ہے۔ الفاظ
کا اثر نہیں ہوتا۔ تم نے اب تک علم الفاظ حاصل کیا ہے اب قلب کے
اندر بھی اس علم کو پہنچانا چاہیئے۔

اہل اللہ کے کلام میں یہ ضروری نہیں کہ آنکھوں سے آنسو نکلنے لگیں بلکہ
اہل دل کے کلام سے سامعین کے دل آنسوؤں سے بھر جاتے ہیں۔ (حقوق الزوہد ص ۱۳۱)

بے عمل واعظ مقرر کی تقریر غیر موثر ہوتی ہے۔

مشاہدہ ہے کہ اگر ناصح خود عمل نہ کرے تو اس کی نصیحت میں اثر نہیں ہوتا جو خود عمل کرتا ہے اس کی نصیحت میں اثر ہوتا ہے۔ فی نفسہ تاثر کے علاوہ اس کا ایک طبعی سبب بھی ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر خود ناصح کا اس پر عمل نہ ہو تو مخاطب کو یہ مضرب پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ عمل ضروری ہوتا تو یہ ناصح خود کیوں نہیں کرتا معلوم ہوتا ہے کہ غیر ضروری ہے۔

ایک جگہ میں گیا وہاں اسکول بھی تھا جس میں مسلمانوں کے بچے پڑھتے تھے اور ماسٹر ان کا مہندہ تھا۔ وہاں لوگوں نے مجھ سے ماسٹر کی بڑی تعریف کی کہ یہ روزانہ پانچ وقت کی نماز پڑھوانے کے لئے لڑکوں کو مسجد لے جاتا ہے۔ میں نے کہا ان کا پڑھوانا کچھ مفید نہیں ہو سکتا کیونکہ روزانہ پانچ وقت بچوں کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ اگر نماز کوئی ضروری چیز ہے تو ماسٹر صاحب خود کیوں نہیں پڑھتے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ نماز پڑھوانے والا مسلمان ہونا چاہیے اور حقیقت میں یہی ہوتا ہے کہ باعلیٰ علماء کا جو اثر ہوتا ہے وہ بے عمل علماء کا نہیں ہوتا۔

میں نے خود ایک مقام پر ایک واعظ صاحب کو دیکھا میں بھی اس میں بلایا گیا تھا۔ واعظ صاحب بھی تشریف لائے اس شان سے کہ سیکنڈ میں سفر کیا اور اپنے ساتھ دس پندرہ مصاحبوں کو بھی لائے۔ بیچارہ سیکرٹری کہتا تھا کہ انہوں نے کورٹ کروا دیا۔ بارش کا موسم تھا۔ میں برآمدہ میں لیٹ گیا مگر آپ اندر لیٹے رہے۔ گرمی تھی تو سیکرٹری سے کہا کہ دو آدمی رات بھر پٹکھا جھلنے کے لئے متعین کر دو۔ سیکرٹری کو یہ بھی کرنا پڑا۔ صبح کو پانی برس رہا تھا۔ مسجد جانا مشکل تھا میں نے ابھڑ کر نماز پڑھ لی مگر وہ حضرت اندر پڑے سوتے رہے اور صبح کے

منہ از اڑادی۔ اب جن کو انہوں نے وعظ سنایا ہوگا بھلا ان پر کیا اثر ہوا ہوگا
(التبلیغ ص ۲۳۰ ج ۲۰)

وعظ تقریر میں تصنع و لکھ اور نامانوس الفاظ احتراز سے

بعض لوگوں کو اجنبی الفاظ برتنے کا شوق ہوتا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ بھر (علامہ) ہونے کی دلیل ہے۔ مانوس الفاظ برتنے چاہئیں نہ (حسن العزیز ص ۲۵ ج ۲) مولانا یعقوب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ دو باتیں مجھے بہت ناپسند ہیں ایک تو تقریر میں لغت بولنا دوسرے تحریر میں شکستہ لکھنا۔ تقریر سے مقصود افہام ہوتا ہے اور یہاں افہام ہو جاتا ہے نہ (حسن العزیز ص ۲۵ ج ۲)

اہل حق کی تقریر اور لیکچر اور جدید انداز کی تقریروں کا فاسق۔

وہ انسپکٹر صاحب کہتے تھے کہ میں ان کی تقریریں سن کر سمجھا کرتا تھا کہ ان کے برابر کوئی محقق نہیں لیکن میں نے جب اہل حق کی تقریریں سنیں جن کو نہ لیکچر دینا آتا ہے اور نہ وہ بڑے بڑے الفاظ بولتے ہیں اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ اصل علم کیا چیز ہے۔

اور کہتے تھے کہ غور کر کے اہل حق کی اور جدید طرز کے لوگوں کی تقریر میں جو فرق میں نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ جدید طرز کی تقریریں پہلی نظر میں تو نہایت دقیق اور موثر ہوتی ہے اور حق انہی میں منحصر معلوم ہوتا ہے لیکن جب ان میں غور کیا جائے تو ان کی حقیقت کھلتی جاتی ہے اور ان کا لچر اور کمزور

اور خلاف واقع ہونا اور پر تبلیغ (ظاہری طبع ساری) ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔
 اور اہل حق کی تقریریں اولیٰ نظر میں بے رنگ اور پھیک کی معلوم ہوتی ہیں۔
 لیکن جتنا ان میں غور کیا جائے تو ان کی قوت اور واقع کے مطابق ہونا معلوم
 ہوتا جاتا ہے اور قلب پر ان کا نہایت گہرا اثر ہوتا ہے کہ اس کے سامنے
 تمام تعلیمات قلب سے دھل جاتی ہیں۔ (دعواتِ جدیدہ ص ۱۱۷ ج ۱۲)
 محقق کی ایک منٹ کی تقریر میں جو اثر ہوتا ہے وہ غیر محقق کے آہ گھٹنے
 کے لیکچر میں بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو دیکھی ہوئی کہہ رہا ہے اور یہ یونہی (لفظی)
 کہہ رہا ہے۔ (حسن العسکری ص ۴۵۶ ج ۱)

جدت پسندی اور لیکچر کا طرز اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

ہم تو صاف کہتے ہیں کہ ہمیں لیکچروں کا طرز سیکھنے کی کوئی ضرورت
 نہیں اور جو شخص لیکچر کے طرز کو سیکھتا ہے وہ اول ہمارے دل میں
 ناپسندیدگی کے بیج بوتا ہے۔ ہم کو تو وہی طرز پسند ہے جس کی طرف
 حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ نحن امة امیة (ہم ای قوم ہیں)
 امیة کے معنی سادگی کے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی مرضی یہ
 ہے کہ آپ کی امت نہایت سادہ رہے اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے لفظ نحن فرما کر ساری امت کو شامل فرمایا۔ اتباع نبوی کی روح
 یہی ہے کہ ہر ہر بات میں سادگی ہو۔

امیة ام کی طرف منسوب ہے مطلب یہ ہے کہ ہماری زندگی ایسی ہی
 جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے بعد بچہ کی زندگی ہوتی ہے کہ اس

کی حرکت تصنع اور بناوٹ کی نہیں ہوتی بلکہ سر حرکت میں سادگی ہوتی ہے اور بچوں کی یہی صفت ہے۔ جس کی وجہ سے ہر شخص کو ان سے محبت ہوتی ہے ورنہ طبعاً بچوں سے جو کہ نجاست کی پوٹ ہوتے ہیں بہت نفرت ہونی چاہیے تھی۔

تواہیت کا اصلی مفہوم یہی ہے کہ سختی ہے اور نہ کھنا پڑھنا جواہیت کا مشہور مفہوم ہے۔ یہ بھی اس کا ایک شعبہ ہے تو بیان میں بھی بناوٹ اور تکلف بالکل نہیں ہونا چاہیے اور تبلیغ اور تبلیغ (ملع سازی) سے بالکل پاک ہونا چاہیے۔ البتہ بیان میں سادگی کے ساتھ صفائی ہونی ضروری ہے لیکن اب یہ طرز بالکل چھوٹا جا رہا ہے۔ ہم اہل علم کو دیکھتے ہیں کہ نورواج (جدید) زبان کا طرز آتا جا رہا ہے اور ستم یہ ہے کہ ان کے بزرگ و اساتذہ بھی ان کو اس طرز سے نہیں روکتے (دعوات جدید ص ۱۱۸)

فصل:..... محقق اور حق پرست واعظ کی پہچان

آج کل واعظ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو ہمیشہ در واعظان کا مقصود تو یہ ہوتا ہے کہ مضمون ایسا ہو جس سے مجلس پر رنگ جم جائے چاہے ان کی ضروریات کا پرو یا نہ ہو۔ اسی لیے وہ نئے نئے مضامین کا اہتمام کرتے ہیں اور پرانا مضمون بھی بیان کریں گے تو اس میں ضرورت کا لحاظ نہ کریں گے بلکہ وہ مضمون اختیار کریں گے جس سے مجلس گرم ہو جائے چنانچہ اسی لیے بعض لوگ ہر جگہ شہادت نامہ کو لے کر دورے ہیں کیونکہ وہ واقعہ ہی ایسا سنگین ہے کہ سنگدل سے سنگدل بھی اس سے موم ہو جاتا ہے مگر جو محقق (علماء) اور (واعظین) ہیں وہ اس پر نظر نہیں کرتے بلکہ وہ ہمیشہ ضرورت کا لحاظ کرتے ہیں (حاصل کلام یہ کہ) یہ نہ دیکھنا

چاہیے کہ مضمون نیا ہے یا نہیں ہاں یہ دیکھنا چاہیے کہ ضرورت کے موافق بھی ہے یا نہیں کیونکہ مضمون کا نیا ہونا کچھ خوبی کی بات نہیں۔ یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی طبیب ایک نسخہ لکھے اور دعویٰ کرے کہ یہ نسخہ ایسا ہے کہ نہ کسی کتاب میں لکھا ہے نہ کسی طبیب نے تجویز کیا ہے تو اس کو کوئی قبول نہ کرے گا بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ نسخہ کی خوبی تو یہ ہے کہ حکما و سلف کے اصول کے مطابق ہو اور اس کے اجزاء کی ترتیب کسی طبیب حاذق کے رائے سے ہوئی ہو ورنہ گھڑت ہوگی اسی کو شرعیہ میں بدعت کہتے ہیں پس جس طرح نسخہ میں نیا ہونا مطلوب نہیں بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ مزاج کے موافق ہو اور اصول و قواعد کے مطابق ہو۔ اسی طرح وعظ میں بھی یہ نہ دیکھنا چاہیے کہ مضمون پرانا ہے یا نیا بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ ضرورت اور مخاطبین کے حالات کے مناسب ہے یا نہیں بحق ہمیشہ ضرورت کا لحاظ کر کے وقت اور موقع کے موافق مضمون بیان کرتا ہے چاہے وہ مکرر اور پرانا ہی کیوں نہ ہو۔ — (۷۷ min)

کیونکہ وعظ روحانی علاج ہے اور علاج میں ہمیشہ مریض کی حالت کا لحاظ کیا جاتا ہے اگر ایک شخص کو بخار ہے تو وہ دس دفعہ بھی حکیم کے پاس جائے گا تو وہ بخار ہی کا نسخہ لکھے گا یہ نہیں کہ آج بخار کا لکھے اور کل کو نہ کام کھانسی اور پرسوں کو کسی اور مرض کا تاکہ نسخہ مکرر نہ ہو۔ وہ اس کی کبھی رعایت نہ کرے گا بلکہ جب تک بخار ہے بخار ہی کا نسخہ دے گا پس لوگوں کو چاہیے کہ وہ یہ نہ دیکھیں کہ مضمون پرانا ہے یا نیا طایب علاج کو اس سے کیا بحث۔

(آداب انبیت وعظ اصلا ح ذات البین ص ۲۷۹، ۲۸۰)

تقریر اور اردو زبان میں انگریزی ہندی الفاظ استعمال کرنے سے احتراز۔

قطع نظر شریعت کے یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ہماری زبان اردو ہے اور اس

کی کچھ خصوصیات ہیں جیسا کہ ہر زبان کے لئے کچھ خصوصیات ہوا کرتی ہیں۔ اب اس طرز جدید کو اختیار کر کے انگریزی کی خصوصیات کو اردو زبان سے میں لے لیا گیا ہے اور وہ روز بروز زیادتی کے ساتھ آتی جاتی ہیں حالانکہ انگریزی کی خصوصیات اس میں بالکل نہیں کھپتیں۔ ان کی بدولت زبان سے بالکل بھڑی اور خراب ہوتی جاتی ہے۔

ایسے لوگوں میں اس وقت ایک بڑی جماعت اپنے کو اردو کا حامی کہتی ہے حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ لوگ اردو کے مانچی (مٹانے والے) ہیں کیوں کہ ہر زبان میں ایک مادہ ہوتا ہے۔ اور ایک ہیئت (صورت) اور زبان ان دونوں کے مجموعے کا نام ہوتا ہے۔ نہ کہ صرف مادہ کا۔ تو جب اردو زبان کی ہیئت باقی نہ رہے گی تو وہ زبان اردو کیوں کر رہے گی۔ اگر ہم اردو کے حامی ہیں تو ہم کو چاہیے کہ ہم اس کی خصوصیات کو باقی رکھیں اور ہماری گفتگو ایسی ہو کہ اگر اجنبی سنے تو یہ سمجھے کہ ہم ایک حرف بھی انگریزی کا نہیں جانتے اور نہ انگریزی طرز سے ہم کو مناسبت ہے۔ بڑا تعجب یہ ہے کہ اس وقت عربی خواں طلبہ کی تقریروں میں کثرت سے انگریزی الفاظ آتے لگے ہیں۔ حالانکہ ان کی تقریر میں اگر دوسری زبان کے الفاظ آتے تو عربی کے الفاظ آتے کیوں کہ اول تو یہ لوگ عربی زبان کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے عربی زبان ہماری مذہبی زبان ہے اور اس اعتبار سے اصلی زبان دی جاوے۔ جب ہماری اصلی زبان عربی ہے تو اگر ہم کو اردو میں آمیزش ہی کرنا تھا تو زیادہ سے زیادہ ہم یہ کرتے کہ اردو زبان کو عربی کے تابع کر دیتے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ ہم نے انگریزی کے تابع کیا جس کی بدولت اردو زبان قریب قریب اردو ہونے ہی سے نکل گئی۔ اگر اردو میں آمیزش کرنا ہو تو عربی کی ہونا چاہیے۔ کیونکہ عربی کی آمیزش لطف کو دو بالا کر دیتی ہے۔ دیکھو فارسی کی عبارت

میں اگر عربی کا کہیں ایک جملہ آجاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلفشانی ہو گئی ہو۔ خلاصہ یہ کہ ہماری زبان میں انگریزی (کے الفاظ ملانے) سے ایک حدت پیدا ہو گئی ہے وہ ضرورتاً بل ترک ہے اور اس جدید طرز میں مذکورہ نقص کے علاوہ ایک بڑا عیب یہ بھی ہے کہ تیس زیادہ ہو سکتی ہے اور پرانے طرز میں یہ بات نہیں ہے۔ (دعواتِ عبیدت ص ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰)

شرعی پہلو

اور ایک شرعی پہلو اس میں یہ بھی ہے کہ اس کو اختیار کرنا ایک فاسق قوم کے مشابہ ہونا ہے اور یہ مشابہت خود حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے من تشبه بقوم فهو منهم۔ (جس نے کسی قوم کو مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے) تشبہ عام ہے لباس اور طرز سب چیزوں کو۔ حدیث آپ پر بھی حجت ہے کیونکہ مسلمان تو آپ بھی ہیں۔

غرض اس وقت تقریروں میں یہ تمام خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں جن سے قواعد شرعیہ کے چھوڑ دینے کے سبب سے ان تقریروں کا وجود کالعدم سمجھا جائے گا۔ (دعواتِ عبیدت ص ۱۲۲)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیہاتی لوگ عشاء کی نماز کے نام میں تم پر عتاب نہ آجائیں کیونکہ کتاب اللہ میں (اس کا نام) عشاء ہے (اور وہ اس کو عتمہ کہتے تھے)۔ (مسلم شریف)

ف:- اس سے معلوم ہوا کہ بول چال میں بھی بلا ضرورت ان لوگوں کی مشابہت نہ ہونا چاہیئے۔ جو دین سے واقف نہیں۔ (حیوة المسلمین ص ۲۲)

شرعی اور عربی اصطلاحات کے استعمال کی اہمیت

لوگ الفاظ کو معمولی چیز سمجھتے ہیں حالانکہ الفاظ بڑی چیز ہیں۔ الفاظ ہی سے آدمی مسلمان سمجھا جاتا ہے اور الفاظ ہی سے کافر ہو جاتا ہے۔ شریعت میں الفاظ کا اس درجہ اہتمام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (لا یظلمنکم الاعراب علی اسوال العشاء الاخرة وکانوا یسمونها العتمة او کما قال) مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عشاء کے وقت کو عتمة کہا کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب اعراب اس لفظ میں تم پر غلبہ نہ کر پائیں۔ کہ تم بھی ان کی طرح عشاء کو عتمة کہنے لگو۔

اس میں اس بات کی تعلیم ہے کہ شریعت نے جن الفاظ میں اپنی کوئی خاص اصطلاح مقرر کی ہے مسلمانوں کو اسی کا استعمال کرنا چاہیے۔ اس کو چھوڑ کر کفار کی اصطلاح نہ برتنی چاہیے۔ ظاہر میں تو یہ معمولی بات ہے کہ بول چال میں اپنے اسلامی الفاظ بولے جائیں مگر اس کے چھوڑنے میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کو دیکھ کر اس کی قدر معلوم ہوتی ہے کہ اگر سب مسلمان الفاظ کو معمولی سمجھ کر دوسری زبان کے مبنیے استعمال کرنے لگیں تو رمضان اور عید اور حج وغیرہ کا کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ یہ کب آئے تھے اور کب چلے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے الفاظ کی رعایت فرما کر محض الفاظ کو نہیں بلکہ دین کو سنبھالا ہے مگر آج کل لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔ (التبلیغ اسباب الفتنہ ص ۲ ج ۱۰)

باب

ہماری اصلی اور پدیری زبان عربی ہے اور مادری زبان اردو ہے۔۔۔ ہندوستان میں اردو کیسے آگئی

عربی ہماری مذہبی زبان ہے اور اس اعتبار سے اصلی زبان وہی ہے اور اردو تو بہت تھوڑے دنوں سے ہماری زبان ہوئی ہے ورنہ ہماری اصلی اور پدیری زبان عربی ہی ہے۔ کیونکہ ہمارے آباء و اجداد عرب ہی سے آئے ہیں اور ہندوستان میں بود و باش اختیار کر لی ہے۔ ہندوستان میں ہمارے بزرگ اکثر جزیرۂ عرب سے تشریف لائے ہیں اور یہیں بود و باش اختیار کر کے یہیں کی نو مسلم عورتوں سے نکاح کیے ہیں اس لیے اولاد پر زیادہ اثر ماننے ہی سہی زبان کا لپڑا۔ اور اسی سے یہ نئی زبان پیدا ہو گئی۔ اسی مادری اثر کی بدولت ہندوستان میں عربی بھی نہ چل سکی۔ کیونکہ آبا جہاں تو عربی بولتے ہوں گے اور اماں جان ہندی۔ اور بچہ زیادہ تر ماں ہی کے پاس رہتا ہے اس لیے کچھ ہندی اور کچھ عربی مل کر ایک مجموعہ ہو گیا اور اگر گھر میں عربی ہوتی اور باہر لوگوں سے ہندی سنتے تو دونوں زبانیں باقی رہتیں چنانچہ ہم بنگالیوں اور انگریزوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی زبان بھی بولتے ہیں اور اردو بھی بولتے ہیں وجہ یہی ہے کہ ان کے گھروں میں وہی بنگلہ اور انگریزی بولی جاتی ہے ہمارے بزرگوں نے چونکہ اس کا اہتمام نہیں کیا یا نہ ہو سکا اس لیے ہماری زبان مرکب ہو گئی۔

غرض ماں کی ہندیت نے زبان کی عربیت کو ضائع کیا اور اصلی زبان
 برباد ہو گئی اور کوئی کہے کہ ہم تو مادری زبان کو اصل سمجھتے ہیں تو میں
 کہوں گا کہ جب حرب نسب یاب سے ہے تو کیوں یاب کی زبان کو
 اپنی اصلی زبان نہ کہا جائے۔ ہماری اصلی زبان عربی ہے۔
 (دعواتِ عبیدت ص ۱۲۱ ج ۱۲ تعلیم البیان)

اردو زبان کی فضیلت

جس طرح فارسی زبان کے لئے عربی زبان کے ساتھ مناسبت ہونے
 کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے اور چونکہ اس فضیلت کا اثر احکامِ دینیہ
 میں بھی ظاہر ہو چکا ہے اس لیے وہ فضیلت دینیہ ہے۔ اسی طرح بلاشبہ
 اردو کو بھی عربی اور فارسی کے ساتھ قوی مناسبت ہونے سے فضیلت دینیہ
 حاصل ہے بلکہ فارسی کو تو عربی سے صرف مشابہت ہی کی مناسبت ہے اور
 اردو کو فارسی اور عربی سے جنوینیت کی مناسبت ہے جیسا کہ ظاہر ہے
 کہ اردو میں کثرت سے فارسی اور عربی کے الفاظ مفردہ استعمال ہوتے ہیں
 بلکہ بہت سے جملے تو ایسے ہوتے ہیں کہ ردِ رابطہ کا، کی اور ہے اور نہیں
 کے سوا پورا مادہ فارسی اور عربی ہی کا ہوتا ہے۔

دوسری فضیلت اس میں یہ ہے کہ علومِ دینیہ کا اس زبان میں غیر محدود
 و غیر محصور ذخیرہ ہے جس کو علماء و مشائخ نے صدیوں کی مشقت اور
 اہتمام سے جمع فرمایا ہے۔ خدا نخواستہ اگر یہ زبان ضائع ہو گئی تو یہ تمام ذخیرہ
 ضائع ہو جائے گا۔ بالخصوص عوامِ مسلمین کے لئے تو علمِ دین کا کوئی ذریعہ
 ہی نہ رہے گا کیونکہ ان کا استفادہ عربی نہ جاننے کی وجہ سے اسی (اردو)
 پر موقوف ہے کیا کوئی مسلمان اس کو گوارہ کر سکتا ہے؟

تیسری فضیلت اس (اردو) کاسلیس اور آسان ہونا ہے۔ اس
تیسری (آسانی) کو آیات قرآنیہ میں موضع اتمان (احسان) میں ارشاد
فرمایا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ فانما یسرناہ بلسانہ وقال تعالیٰ فانما یسرناہ
بلسانک :- (اشباہما۔ ۷۰) (البدائع ۱۵)

اردو بھی خدا کی زبان ہے اس کو پڑھنے سے بھی
ثواب ملے گا۔

لوگ عربی کو تو خدا کی زبان سمجھتے ہیں اور اردو فارسی ہندو کی زبان
اور اس غلطی کا منشاء زیادہ تر غلامی کی کوتاہی ہے انہوں نے کبھی صاف
صاف یہ نہیں کہا کہ اردو میں علم دین پڑھ لینے سے بھی وہ فضاہل ہو سکتے
ہیں۔ جو احادیث و قرآن میں علم کے لئے وارد ہیں حالانکہ قرآن و حدیث
میں کہیں عربی کی تحقیص نہیں :- (التبلیغ تعیم التعمیم ص ۱۳۶)

اردو کی شرعی حیثیت اردو کی حفاظت واجب ہے۔

اس وقت اردو کی حفاظت دین کی حفاظت ہے۔ اس بنا پر یہ
حفاظت حسب استطاعت طاعت اور واجب ہوگی اور باوجود قدرت
کے اس میں غفلت اور سستی کرنا معصیت اور موجب مواخذہ آخرت ہوگا
واللہ اعلم :- (البدائع ۱۵)

ضرورت کے وقت دوسری زبان اختیار کرنا۔

سوال :- آج کل آریہ مذہب والوں کا زور شور ہے۔ قرآن و حدیث پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو بہکاتے ہیں۔ علماء اگرچہ تحقیقی جوابات دیتے ہیں۔ لیکن اسے زمانہ میں الزامی جواب زیادہ نافع اور مسکت اور با وقعت ہوتا ہے اور الزامی جواب ممکن نہیں تا وقتیکہ ان کے مذہب سے پوری واقفیت نہ ہو اور ان کے مذہب کے کتابیں وید وغیرہ سنسکرت زبان میں ہے۔ اس لیے اسے ضرورت سے اگر سنسکرت زبان سیکھی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اس کی تعلیم و تعلم کا فی نفسہ جائز ہوتا تو مانع جواز کے نہ ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے اور قاعدہ مقررہ ہے کہ جو امر جائز کسی امر مستحسن یا واجب کا مقدمہ و موقوف علیہ ہو وہ بھی مستحسن یا واجب ہوتا ہے اور سوال میں ذکر کی ہوئی مصلحت کے استحقاق یا ضرورت میں کوئی کلام و خفاہ نہیں لہذا اس زبان کی تحصیل ایسی حالت میں بلاشبہ مستحسن یا ضروری علی الکفایت ہے اسی بنا پر ہمارے علماء متکلمین نے یونانی فلسفہ کو حاصل کیا اور علم کلام بطرز معقول مدون فرمایا۔

و یویدہ مارواہ مسلم عن حذیفہ رضی اللہ عنہ قال کان الناس یسألون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخیر و کنت استسئلہ عن الشر مخافة ان یدرکنی قلت و ادراک الشر للمسلمین کا دراکہ لنفسہ۔ (امداد الفتاویٰ مج ۴ ص ۲)

باب

وعظ تقریر میں چندہ کی اپیل ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

(جو مولوی وعظ کہہ کر نذرانہ قبول کرتے ہیں یا چندہ وصول کرتے ہیں ان کے وعظ نصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔)

چندہ کے متعلق بیان کرنے والے پہلے ہی سے یہ نہیں کہتے کہ آج چندہ کا بیان ہو گا بلکہ پہلے مذہب کے حقوق اور علم کے فضائل بیان کرتے ہیں پھر یہ کہتے ہیں حفاظت اسلام کی بہتر صورت مدارس وغیرہ کا قیام ہے پھر کہتے ہیں کہ ان کا قیام سب مسلمانوں کی توجہ و تہمت سے ہو سکتا ہے اب چندہ کی ترغیب دیتے ہیں۔

اس سے سننے والے کو دھوکہ ہوتا ہے کیونکہ وہ تو یہ سمجھ کر بیٹھتے ہیں کہ ہم سے کچھ نہ مانگا جائے گا اور جب اخیر میں ان سے چندہ کو کہا گیا تو بعض کو ناگوار ہوتا ہے اور وہ اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ہم کو پہلے سے یہ معلوم ہوتا کہ اخیر میں ہم سے چندہ مانگا جائے گا تو ہم اتنی دیر تک اپنا وقت ضائع نہ کرتے۔

دوسرے اس طرح تمہیدی مضامین کی ساری وقت سامعین کے دل سے نکل جاتی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بس یہ سارا زور شور اس لیے تھا کہ ہمیں چندہ دو۔ سو میں مسلمانوں کو دھوکا نہیں دینا چاہتا اور نہ احکام علوم شرعیہ کی وقت کھونا چاہتا ہوں یہ۔ (التبلیغ ص ۱۴)

حضرت تھالومی کا معمول

ہمیں ایسا نہیں کرتا اولاً تو میں چندہ کے متعلق بیان ہی نہیں کرتا اور اگر کبھی کرتا ہوں تو شروع ہی میں کہہ دیتا ہوں کہ آج چندہ کا بیان ہو گا جس کا جی چاہے بیٹھے اور جس کا جی نہ چاہے اٹھ کر چلا جائے۔ میں چندہ کے مضمون کو توطیہ و تمہید کے بعد اس لئے نہیں کہتا کہ اس سے سننے والوں کو دھوکہ ہوتا ہے جس مضمون کے متعلق مجھ کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس سے سامعین پر گرائی ہوگی میں پہلے ہی سے اس کو ظاہر کر دیتا ہوں اس کے بعد جو کوئی بیٹھے گا مطمئن ہو کر بیٹھے گا اور مجھ پر اس کے بیٹھنے کا کوئی احسان نہ ہوگا۔ اور نہ وہ میرے اجمال و ابہام کی وجہ سے بندھے گا میں ابہام کو پسند نہیں کرتا۔
(التبلیغ ص ۱۲ ج ۱۲)

اصل مضمون سے پہلے تمہید بیان کرنا۔

مدیرِ عادت ہے کہ جس مضمون کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے میں اس کو پہلے ہی صاف کہہ دیتا ہوں۔ بخلاف عام مقررین کے کہ ان میں بعض دفعہ بیان کرنے والا مقصود کو توطیہ و تمہید کے بعد ادا کرتا ہے۔ اور اس میں بھی ایک حکمت ہے وہ یہ کہ اس میں دیر تک سامعین کو مقصود کا اشتیاق رہتا ہے۔ اور اشتیاق کے بعد جو بات معلوم ہوتی ہے اس کی وقعت ہوتی ہے اور دوسرے یہ بھی حکمت ہے کہ اگر وہ مضمون ایسا ہو جس سے طبائع پر گرائی ہوتی ہو تو پہلے ہی سے اس مضمون کو سن کر لوگوں کو گرائی نہ ہو اور سامعین اٹھ اٹھ کر نہ چل دیں۔

اگر کسی کو توطیہ و تمہید سے صرف مضمون کی وحشت دفع کرنا مقصود ہو اور کوئی نیت نہ ہو تو تمہید کے بعد مقصود بیان کرنے کا بھی مضائقہ نہیں کیونکہ سامع کی وحشت کو دفع کرنا بھی مطلوب ہے۔
 مگر جہاں تک میں دیکھتا ہوں ان پیشہ والوں کی نیت توطیہ و تمہید سے یہ نہیں ہوتی کہ سامعین کی وحشت مضمون سے دفع ہو بلکہ زیادہ تر اپنی مصالحت پیش نظر رکھتے ہیں کہ لوگوں کو ہم سے وحشت نہ ہو جائے اس لیے وہ چندہ کے مضمون کو ایسی رنگ آمیزی اور تمہید کے بعد زبان پر لاتے ہیں کہ لوگوں کو ان حضرت واعظ سے نفرت نہ ہو مگر میں اس کو خیانت سمجھتا ہوں
 (التبلیغ ملاح ۱۲ ص ۱۱۲ خیر الارشاد)

واعظ کا نذرانہ لینا اور اس کی تنخواہ کا مسئلہ

علماء چونکہ قوم کی دینی خدمت میں مجبوس ہیں اس لیے ان کی تنخواہ یا نذرانہ قوم کے ذمہ ہے۔ البتہ کسی خاص واعظ پر نذرانہ ٹھیکر کر لینا یہ ناجائز ہے باقی جو مجبوس ہونے کے سبب تدریس یا تبلیغ پر تنخواہ لیں گے وہ جائز ہے واعظ کی نوکری بطور مشاہرہ کے جائز ہے۔
 (التبلیغ ص ۴۵ ج ۲ حقوق العلم ص ۵۴)

واعظ کہہ کر نذرانہ لینے کی خرابی

واعظ کہہ کر نذرانہ لینے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس واعظ کا کسی پر اثر نہیں ہوتا۔ دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ واعظ اظہار حق سے مال فوت ہونے کے خوف سے رکتا ہے اور تنخواہ لے کر وعظ کہتا اس سے مستثنیٰ ہے۔ (ایضاً ص ۹۳)

حسبہ اللہ کوئی وعظ کہے اور خوشی سے کچھ لوگ دیں اس کا لینا جائز ہے۔ جواز کے شرائط۔

اسی طرح اگر محض حسبہ اللہ احکام کی اشاعت کرے اور متفرق طور پر لوگ کچھ خدمت کر دیں اور قلب میں کچھ طمع نہ ہو گو احتمال و دوسو سو ہو وہ بھی جائز ہے۔ اور اس کا امتحان کہ یہ کام حسبہ اللہ کیا جاتا ہے یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ وعظ کہنے کے واسطے جانے کے لئے یہ شخص کن مقامات کو منتخب کرتا ہے آیا ان مقامات کو جہاں روپیہ ملنے کی زیادہ امید ہو یا ان مقامات کو جہاں تبلیغ احکام کی زیادہ ضرورت ہو پہلی صورت میں جواز نہ ہو گا دوسری صورت میں ہو گا اور جواز میں جو یہ قید لگائی ہے کہ قلب میں کچھ طمع نہ ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ فما جاءك من هذا المال وانت غير مشرف ولا سائل فخذ وما لا فلا تتبعه نفسك اور احتمال و دوسو سو طمع و اشرف میں فرق یہ ہے کہ اگر خیال ہوا کہ شاید کچھ ملے اور نہ ملنے سے اذیت نہ ہوئی تو صرف دوسو تھا اور اگر ایذا و رنج ہوا اور قلب میں شکایت و ناگواری ہوئی کہ ان لوگوں نے کچھ نہیں دیا تو طمع و اشرف معاف (حقوق العلم ص ۵۵)

بعض مبلغین کا قصور اور خیانت

ایک کو تا ہی بعض مبلغین کی یہ ہے کہ وہ چندہ میں (اپنے اخراجات یعنی سفر خرچ وغیرہ میں) اسراف بہت کرتے ہیں۔
بے دریغ روپیہ اڑا ڈالتے ہیں مثلاً خود اپنے پیسے سے چاہے بھرڈ میں

بھی سفر نہ کریں (بلکہ بجائے ایک سپر سس کے بسجر سے کریں)۔ اگر چنڈہ کا پیسہ ایسا مفت کا ہے کہ اب سیکنڈ کلاس (بلکہ فرسٹ کلاس) میں سفر کرتے ہیں۔ سیکنڈ سے کم میں نہیں بیٹھ سکتے جو کام خطے نکل سکتا ہے اس کے لئے تار پر تار جا رہے ہیں اسٹیشن پر برٹ ملینڈ بھی پی رہے ہیں۔ چلئے بسکٹ بھی اڑا رہے ہیں۔ چاہے اپنے پاس سے ایک دفعہ بھی ایسے کاموں میں پیسہ خرچ نہ کرتے۔ مگر چنڈہ (اور عوام) کا پیسہ ایسی بیدردی سے تباہ کرتے ہیں۔ واللہ موبیلوں کی نسبت ایسے واقعات سن کر بہت رنج ہوتا ہے کہ یا اللہ ان پر علم کا کیسا اثا اثر ہوا۔ علماء کو اس سے بہت ہی احتراز کرنا چاہیے۔ (ضرورت تبلیغ ص ۲۲۳ ص ۳۲۱) (ملحقہ دعوت و تبلیغ)

وعظ و تقریر پر اجرت لینے کا مسئلہ۔

سوال :- امامت اور وعظ پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟
 الجواب :- استیجار علی الطاعات (یعنی عبادات پر اجرت لینا) جو ناجائز ہے۔ اس میں سے امامت مستثنیٰ ہے اور بعض (لوگوں) نے وعظ کو بھی مستثنیٰ کہا ہے اور بعض نے عدم جواز میں داخل کر رکھا ہے۔ تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اگر وعظ کی نوکری کر لی مثل امامت کے تو اجرت لینا جائز ہے اور اگر نوکری نہیں ہے عین وقت پر وعظ پر اجرت کی شرط کرے تو جائز نہیں جیسے عین وقت پر امامت پر اجرت مانگنے لگے (تو یہ ناجائز ہے) (امداد الفتاویٰ کتاب الامارہ ص ۳۸۹)

وعظ و تقریر کے بعد مٹھائی

فرمایا ہم تو وعظ میں بھی مٹھائی نہیں بانٹتے اس لیے کہ حرام حرامی یہ

رسم بڑھ جائے گی پھر غریب رکھیں گے کہ ہمارے پاس نہیں ہے ہم کیسے دے سکتے ہیں۔ بعض اہل حق پیر بھی بیعت کے وقت نذرانہ لے لیتے ہیں اور فی نفسہ اس میں کوئی خرابی بھی نہ تھی مگر مجھے تجربہ ہے اس میں یہ احتمال ہوا کہ یہ بھی ایک مفیدہ ہے یعنی لیتے دیتے دیکھ کر غریب کی بیعت کی بہت نہ ہوگی یا ان کو فکر کرنا پڑے گی۔ (حسن العزیزہ ص ۲۰ ج ۲)

باب ۹..... اسلوب انداز بیان

فصل ۱..... عنوان اور طرز تعبیر کا فرق

ہمیشہ نرم اور حکیمانہ اسلوب اختیار کرنا چاہیے

فرمایا کہ عنوان کا بھی بڑا اثر ہوتا ہے۔ بات ایک ہی ہوتی ہے مگر تعبیر کا طریقہ جدا ہوتا ہے مثلاً مولانا شہید بی بی فاطمہ کے نام پر کونڈوں کو منع فرمایا کرتے تھے۔ شاہی خاندان کی ایک بڑی بی بی نے حضرت شہید کو بلایا اور کہا کہ بیٹا ہم نے سنا ہے کہ تم بی بی فاطمہ کے نام کے کونڈوں کو منع کرتے ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ میری کیا مجال ہے کہ حضرت بی بی کے کونڈوں کو منع کروں۔ میں نے منع نہیں کیا۔ کسی نے آپ سے غلط کہا۔ بلکہ بی بی فاطمہ کے ایا جان (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) منع کرتے ہیں۔ (افاضات الیومیہ ص ۲۹ ج ۴)

عوام کو سمجھانے کا انداز۔ عوام کو تشویش میں ڈالنے سے احتیاط۔

ہمارے اکابر کا یہ طرز تھا کہ عوام کو تشویش میں نہ ڈالا جائے۔ کانپور میں ایک واعظ صاحب نے بیان میں فرمایا کہ بڑے پیر صاحب یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی کا جنتی ہونا قطعی نہیں لوگ اس سے بھڑک گئے اور مقدمہ میرے پاس آیا۔ ہر فرقہ یہ خیال کرتا تھا کہ تائید میری کرے گا۔ میں نے پہلے اس غامبی سے دریافت کیا کہ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو۔ اس نے کہا میں ان کو یقینی جنتی کہتا ہوں۔ میں نے کہا بہت ٹھیک ہے جب وہی جنتی نہ ہوں گے تو پھر کون ہوگا پھر میں نے اس سے کہا کہ تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے۔ اس نے کہا کہ بڑے بڑے عالم اور بزرگ ایسا کہتے ہیں میں نے کہا اچھا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تمہارے نزدیک جنتی ہیں۔ کہا ہاں۔ میں نے کہا اس کا کیا ثبوت ہے۔ کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے کہا بالکل درست ہے اب یہ بتلاؤ کہ حضور کے قول اور بزرگوں کے قول میں کچھ فرق ہے یا نہیں کہا ہاں ہے۔ میں نے کہا جیسا حضور کے اور بزرگوں کے ارشاد میں فرق ہے ویسا ہی حضرت صدیق کے اور بڑے پیر صاحب کے جنتی ہونے میں بھی فرق ہے یا نہیں کہا ہاں میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ وہ بھی تو یہی کہتا ہے جو تم کہتے ہو۔ یعنی غیر منصوص کا جنتی ہونا یقینی نہیں ملتی ہے مگر یہ ملاحسن کا ظن نہیں جانتا اس ظن کو اپنی اصطلاح میں یقین کہتا ہے ورنہ اس کے دل میں بھی دونوں نجاتوں میں وہی فرق ہے جو تم کہتے ہو کہ ایک یقینی اور ایک ظنی ہے

(مکتبہ الحق ص ۱۱۱)

جو آپ کا عقیدہ ہے اس کا بھی وہی عقیدہ ہے صرف عنوان کا فرق ہے۔ یہ اس کو یقینی کہتا ہے آپ غلیہ ظن کہتے ہیں باقی اصل معنی میں دونوں متفق ہیں۔

اس حکایت سے مقصود یہ ہے کہ بلا ضرورت عوام الناس کو متوحش نہانا اور بلا دلیل ان پر بدگمانی کرنا اچھا نہیں ہے (دعواتِ جدیدہ ص ۱۸ ج ۲)

ایک اور مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر کے متعلق مولانا شہید اور شاہ عبدالعزیز کا جواب

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک صاحب کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامزد حضور کی تصویر ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے؟

فرمایا کہ حضرت مولانا شہیدؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کے زمانے میں بھی ایسی بات پیش آئی تھی۔ ایک شخص نے آکر حضرت شہیدؒ سے سوال کیا کہ میرے پاس ایک تصویر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نامزد ہے میں اس کے ساتھ کیا برتاؤ کروں؟ فرمایا کہ معاملہ کیا ہوتا حضور کے نامزد ہونے سے حکم شرعی نہیں بدلتا۔

پھر یہ شخص حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے پاس پہنچا۔ اور یہی عرض کیا حضرت شاہ صاحبؒ نے دریافت فرمایا کہ جاندار ہے یا بے جان عرض کیا کہ بے جان۔ فرمایا کہ جب صاحب تصویر (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) بے جان ہو گئے تھے تو کیا معاملہ کیا گیا تھا؟ عرض کیا کہ غسل و کفن دے کر دفن کیا گیا تھا فرمایا کہ تم بھی ایسا ہی کرو۔ سیورے اور گلاب سے غسل دو اور بہت قیمتی کپڑے

میں لپیٹ کر کسی ایسی جگہ دفن کر دو جہاں کسی کا پاؤں نہ پڑے۔
 بات ایک ہی ہے کہ (وہ تصویر) مٹھ کر دی گئی (یعنی ختم کر دی گئی) مگر
 عنوان کا فرق ہے۔ دوسرے طریقہ کا اختیار کرنا سہل ہو گیا پھر تدریجاً پہلا طریقہ
 گوارہ ہو گیا۔

حضرت تھانویؒ کا فیصلہ۔

پھر سائل نے عرض کیا کہ (فلاں صاحب) یہ کہتے تھے کہ اس کو لے کر
 حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور سپرد کر کے چلا آؤں گا۔ حضرت جو
 چاہیں اس کے ساتھ معاملہ کریں فرمایا اس میں میں کیا کروں گا جو شریعت
 کا حکم ہے وہی کروں گا۔

یہاں ایک طرف تو یہ ہے ہذا امثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 اور ایک طرف تو یہ ہے ہذا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ دیکھ
 لو کون مقدم ہے۔

اور ایک اس سے بھی اچھا فیصلہ ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
 سامنے اگر یہ پیش کی جاتی تو حضور کیا معاملہ فرماتے۔ ظاہر ہے کہ اتنا بھی نہ
 فرماتے جتنا شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا بلکہ مولانا شہیدؒ ہی جیسا فتویٰ
 اور عمل فرماتے۔

پھر فرمایا کہ حضرت مولانا شہیدؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی
 تجویزوں میں یہ فرق ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا نفع عام ہے
 اور حضرت شہیدؒ کا نفع تام ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نفع عام سے نفع تام افضل
 ہے گو نفع عام اسہل (زیادہ آسان) ہے دونوں حضرات کے مسلک کا یہ خلاصہ
 ہے جو میں سمجھتا ہوں۔

اور یہ حقیقت ہے کہ بزرگ باوجود مقصود میں متحد ہونے کے مختلف الطباع ہوتے ہیں اس لیے نفس احکام میں تو نہیں مگر رائے (اور طریق کار) میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (اناضات الیومیہ ص ۳۱ ج ۲، ص ۳۱ ہفتم ط)

حضرت تھانویؒ کا سمجھانے کا انداز

چنانچہ (وہ صاحب) شام کو مغرب کے بعد ایک بڑے مجمع کے ساتھ ملنے آئے اور ہاتھ میں پھولوں کا گجرا تھا۔ آتے ہی میرے گلے میں ڈال دیا۔ میں نے گردن سے نکال کر ہاتھ میں رکھ لیا۔ کہنے لگے باغ میں گیا تھا۔ وہاں بہت سے پھول ملے تھے جی میں آیا کہ اپنے پیاروں کو دوں۔ سو ایک تو شاہ عہد القدر کس صاحب کے مزار پر چڑھایا اور ایک تم کو دیا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ تم حضرت شیخ کو جنتی سمجھتے ہیں؟ کہا کیوں نہیں۔ میں نے کہا۔ آپ جانتے ہیں کہ جنت کی مدحیں کیسی ہیں اور ان پھولوں کی ان سے کیا نسبت ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ جیسے ایک شخص ایک سو پچیس تولہ کا عطر لگاتا ہو اور آپ اس کی ناک میں چار آنہ تولہ کا عطر ٹھونسنے لگیں تو کس قدر ناگوار ہوگا تو کیا ان پھولوں سے حضرت شیخ کو اذیت نہ ہوگی۔ انہوں نے فوراً توبہ کر لی، پھر عشاء کی نماز کے لئے مسجد میں گئے۔ وہاں علیحدہ بیٹھ کر ان سے کہا کہ آپ تو شاہ صاحب اور آپ تو حضرت حاجی صاحب کے ساتھ محبت کا دعویٰ کرتے ہو کیا حاجی صاحب کی ایسی صورت تھی پھر وہ دائرہ منڈانے سے بھی تائب ہو گئے۔ (ملفوظات ص ۳۱)

حکمت عملی سے تردید کرنا۔ تردید کا عجیب انداز

فرمایا مولانا غوث علی شاہ صاحب پانی پتی اپنے پیر کے ساتھ سفر میں تھے کہ ایک مقام پر گزر ہوا۔ وہاں ایک جاہل نقیر اپنے آپ کو خدا کہتا تھا۔ ان کے پیر نے کہا کہ ایسے شخص کی اصلاح ہم کیا کر سکتے ہیں مگر شاہ صاحب اس کے پاس گئے اور اس کی بہت تعظیم کی۔ اور کہا کہ ہم تو کیا معلوم تھا کہ آپ یہاں ہیں۔ ہم نے تو سنا تھا کہ آپ عرش پر ہیں (اگر معلوم ہوتا تو) بھلا وہاں کیوں کرتلاش کرتے پھر قرآن شریف کی کسی آیت کی تفسیر تو بھی اس نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا عجیب بات ہے قرآن تو آپ ہی نے نازل کیا۔ آپ ہی کی تصنیف ہے پھر اس کا کیا مطلب کہ آپ پڑھے ہوئے نہیں۔ پھر کہا میں کچھ نذرانہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بہت خوش ہوا۔ انہوں نے سوکھے ٹکڑے اس کے آگے رکھ دیئے۔ وہ نقیر غصہ ہونے لگا تو فرمایا اجی آپ ہی تو ہمارے رازق ہیں جو کچھ آپ نے ہمیں رزق دیا اسی میں سے ہم نے آپ کو دے دیا آپ خفا نہ کیوں ہوتے ہیں الحاصل وہ بہت شرمندہ ہوا اور اسی بحث کے بعد اُن نے توبہ کی۔

(فیوض الحقائق ص ۱۷۷)

تردید کا ایک اور عجیب غریب انداز۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کا قصہ :-

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ کہیں چلے جا رہے

تھے راستہ میں ایک مجمع دکھا معلوم ہوا کہ بیچ میں ایک تنگ دھڑنگ آدمی بیٹھا ہوا ہے یکمخت کفریات بک رہا ہے۔ حالانکہ اپنے عضو کو ہلا کر کھتا ہے کہ توبہ توبہ یہ تو اللہ کا الف ہے (نقل کفر کفر نباشد) اور بہت لوگ اس کے معتقد ہو رہے ہیں شاہ صاحب نے اپنے ایک ہمراہی شاگرد سے فرمایا کہ اس شخص کی گمر میں ایک لات بارود اور یہ کہو کہ نام مقبول ہے پیرا معلوم ہوتا ہے بھلا کہیں الف کے نیچے دو نقطے بھی ہوتے ہیں شاہ صاحب جامع الغنون تھے تنکوں کا جواب انہی کے مذاق کے مطابق دیا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور سارے معتقدین فقروا ہو گئے (بھال کھڑے ہوئے) اس طرح فتنہ ختم ہوا اور یہ مذاق کچھ آج سے نہیں سے پرانا مذاق ہے لوگ ہمیشہ سے ایسے شخص کے کم معتقد ہوتے ہیں جو آدمی کی شکل میں ہو عقل و تہذیب سے آراستہ ہو۔ (التبلیغ ص ۱۶۶ ج ۱۷ ما علیہ البصر)

فصل ۲ مخالفین کی تردید کا طریقہ

قرآن مجید کا انداز

قرآن شریف کا بھی یہی طرز ہے کہ احکام بیان کر دیئے۔ مخالف پر زیادہ رد و تدرج نہیں کیا۔ ایک مولوی صاحب نے عجیب بات کہی کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مناظرہ سے لوگوں کو کبھی نفع نہیں ہوا۔ تبلیغ سے ہولہ اور وہ بھی اس تبلیغ سے جو دجا دلہو بالتی ہی احسن کے ماتحت ہو۔ قرآن مجید کا طرز دیکھو بہت دفعہ معجزات کا مطالبہ کیا گیا مگر معجزہ ظاہر نہیں کیا گیا۔ (اناضات الیومیہ ص ۴۰ ج ۷)

انبیاء علیہم السلام کا طریقہ

نہیں کرنا یہ چاہیے کہ جب اہل باطل اپنی (بکواس) بکریاں تو اپنی (حق بات) الگ کہنے لگیں زیادہ اچھا طریقہ یہی ہے۔ انبیاء کا یہی طریقہ ہے کفار کے جواب میں اتنی مشغولی نہیں کرتے تھے البتہ حق کا اعادہ بار بار کرتے تھے جواب کے درپے زیادہ نہیں ہوتے تھے اسی سے زیادہ نفع ہوا۔

مجھے طالب علمی کے زمانہ میں یہ تجربہ ہو گیا تھا اور بجائے مناظرہ کے میں یہ کرتا تھا کہ عیسائیوں وغیرہ کے مقابلہ میں اپنا دعوہ دوسری طرف کھڑے ہو کر کہنے لگتا تھا اس سے بہت نفع ہوتا تھا (کلمۃ الحق ص ۹۹ حسن العزیز ص ۱۲۴ ج ۱)

حضرت تھانویؒ کا معمول

میں نے دعوت میں ان سب شہادت کے جواب دیئے پھر اعلان کیا کہ اگر کسی کو کوئی شبہ ہو تو دریافت کر لے بعد میں شکایت نہ کرنا کہ ہمارا شبہ حل نہ ہوا غیر مسلموں سے مناظرہ زیادہ تر غلام کے لئے مضر ہے نافع طریقہ یہ ہے کہ بیان کیا جائے میں نے ایک دعوت میں بیان کیا ہے اس کا نام محاسن الاسلام رکھا ہے جو چھپ بھی گیا ہے دیکھنے کے قابل ہے (کلمۃ الحق ص ۱۹۵ ص ۱۹۶)

اہل بدعت کی تردید کا طریقہ

لوگ خواہ مخواہ علماء سے جھگڑتے ہیں کہ فتنہ اور مولود میں کیا خرابی ہے یہ تو اچھا کام ہے پھر اس سے کیوں منع کرتے ہیں۔ اس کا تحقیقی

جواب تو یہ ہے کہ جن قیود کے ساتھ تم ان افعال میں ثواب کے قائل ہو نہ رعیت نے ان قیود پر ثواب نہیں بیان کیا مگر عوام اس کو کیا سمجھیں۔

اس لیے میں ان لوگوں سے الزامی گفتگو کیا کرتا ہوں۔ چنانچہ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ گاؤں میں جمعہ کیوں نہیں ہوتا۔ میں نے کہا آپ پہلے یہ بتلائیں کہ بمبئی میں حج کیوں نہیں ہوتا۔ بس خاموش ہو گئے۔

(۱۲۱) اسی طرح ایک گاؤں والے نے مجھ سے پوچھا کہ فاتحہ دینا کیسا ہے؟

میں نے کہا مایاں تم نے لکڑیاں بھی کبھی اللہ واسطے دی ہیں؟ کہا جی ہاں! میں نے کہا تم نے کپڑا بھی کبھی دیا ہے؟ کہا ہاں! میں نے کہا پھر اس پر بھی فاتحہ پڑھی تھی؟ کہا نہیں! میں نے کہا پھر کھانے ہی پر فاتحہ کیوں پڑھتے ہو۔

تو وہ گاؤں والا کہنے لگا جی ہاں بس یہ تو فضول سی بات ہے۔ میں نے کہا ہاں خود سمجھ لو۔ اگر ثواب ہی پہنچانا ہے تو فاتحہ الگ پڑھ دو، کھانا الگ دے دو۔ دونوں میں جوڑ لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ گاؤں والے

سمجھنے کے بعد جھٹیں نہیں نکالتے کیونکہ ان کی طبیعت میں سلامتی ہوتی ہے اسی طرح ایک صاحب نے فاتحہ کے متعلق مجھ سے سوال کیا تو میں نے

کہا کہ آپ پوری دیگ پر فاتحہ کیوں نہیں پڑھتے۔ پلاؤ کی دیگ میں صرف ایک طباق میں کھانا رکھ کر اسی پر کیوں پڑھتے ہو؟ کیا اللہ تعالیٰ کو نمونہ دکھلاتے ہو؟ اور ایک شخص کو میں نے یہ جواب دیا کہ بتلاؤ پکانے کا ثواب پہنچتا ہے یا کھلانے کا۔ کہا ثواب تو کھلانے کا ہوتا ہے۔

میں نے کہا پھر کھلانے کے بعد فاتحہ پڑھ دینا اور ثواب پہنچا دینا۔

یہ چند نمونے میں نے بتلائے ہیں کہ اہل بدعت کو الزامی جواب اس طرح دینا چاہیے کیونکہ وہ حقیقت کو سمجھنا نہیں چاہتے۔ ہاں اگر کوئی

فہیم ہو تو اس کو حقیقت بھی بتلا دی جائے۔

باطل فرقوں کی تردید کرنے کے متعلق نہایت ضروری مضمون۔

اہل باطل میں اس وقت دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو ارتداد کی صورت میں مرتد بنا رہے ہیں اور ایک وہ جو اسلام کی شکل میں خود پہلے سے مرتد ہیں۔ اور دوسروں کو اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ یہ فرقہ زیادہ مضر ہے یعنی اس وقت ایک فرقہ تو آریہ کا ہے وہ علانیہ کفر کی دعوت کرتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو اسلام کے پردہ میں کفر کو پھیلا رہے ہیں۔ وہ مرتدوں کا گروہ ہے ان پر کفر و ارتداد کا فتویٰ ہو چکا ہے۔ مبغنین کو اس وقت ان دونوں کی مدافعت کرنا چاہیئے۔ جیسے آریہ ہیں ایسے ہی یہ ناریہ بھی ہیں دونوں کافر ہیں۔

یہ میں نے اس لیے عرض کیا کہ کانپور میں میرا ایک وعظ ہوا تھا اس کا نام دعوت الی اللہ ہے وہ چھپ بھی گیا ہے۔ میں نے اس میں بیان کیا تھا کہ اب صرف آریہ کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اور آپس میں جو فرقے ہیں جیسے رضائی یا مرزائی ان سے نہ لڑنا چاہیئے یعنی جب وہ لوگ یعنی نو مسلم یا جاہل مسلمان ہمارے گھر کے اندر لڑائی دیکھیں گے تو متحیر رہ جائیں گے کہ یہ سب ہی مسلمان ہیں اور ایک دوسرے کو اہل باطل سمجھتے ہیں پھر ہم کہہ رہے ہیں اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ اب مجھے تنبیہ ہوا کہ یہ میرا خیال صحیح نہیں ہے پہلے مجھے واقعات معلوم نہ تھے میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ لوگ بھی صرف توحید و رسالت ہی کی اشاعت کرتے ہیں یعنی رسالت محمدیہ کی اب معلوم ہوا کہ وہ رسالت مرزائیہ کی اشاعت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ سنا تھا کہ وہ ان سے لڑتے ہیں تو اس وقت یہ دانتے

دی تھی کہ آپس میں نہ لڑو اس سے جاہل مسلمان یا مرتدین پریشان ہوں گے اسلام سے رک جائیں گے پہلے ان کو کسی ہی ذریعہ سے مسلمان ہونے دو جب وہ مسلمان ہو جائیں گے پھر بتلا دینا کہ یہ مذہب باطل اور یہ حق ہے اور یہ بھی کہا تھا کہ یہ جب تک ہے کہ وہ مرزائی وغیرہ اپنے مذہب سے تعرض نہ کریں۔ نہ اپنے عقائد کی اشاعت کریں۔ اگر وہ اس سے تعرض کریں تو تم بھی دریغ نہ کرو۔

اب ایک دوست نے لکھا ہے کہ تمہارے وعظ میں جو یہ مضمون ہے اس سے تو لازم آتا ہے کہ ہم اور کفار ایک جگہ ہو کر اسلام کی اشاعت کریں اور اس خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ لوگ اپنے عقائد کی اشاعت سے تعرض بھی کرنے لگے ہیں تو میں نے جواب لکھا کہ اس میں اس حالت میں عدم سکوت کی طرف خود اشارہ ہے اور یہ اجازت دی کہ اب شائع کرو کہ اگر وہ اپنے مذہب سے تعرض کریں تو ہم بھی ان سے ضرور تعرض کریں گے۔

پھر ایک دوست نے مجھ کو یہ لکھا کہ اب وہ تعرض بھی نہ کریں جب بھی ہم کو تعرض کرنا چاہیے کیونکہ حقیقت میں گو وہ مسلمان نہیں مگر ہمارے سکوت سے عام مسلمانوں کو یہ خیال ہوگا کہ یہ مسلمان ہیں تو پھر حندے وہ انہیں کو اپنا مقتدار اور پیر خیال کریں گے پھر ان سے لوگوں کو ہٹانا مشکل ہوگا۔

اس وقت میری آنکھیں کھل گئیں کہ بیشک میرا خیال غلط تھا پھر میں نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ ہمارے مبلغوں کو کیا کرنا چاہیے ان سے تعرض کرنے میں ضرور یہ تھا کہ کہیں دعوت (تبلیغ) ہی نہ رک جائے اور بجائے مرتدین کو مسلمان بنانے کے کہیں مرزائیوں کے مناظرہ میں سارا وقت صرف نہ ہو جائے اور تعرض نہ کرنے میں یہ خیال ہو کہ اگر لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ دیا جائے کہ وہ جس کے ہاتھ پر چاہیں اسلام لے آئیں چاہیں ہمارے ہاتھ پر یا مرزائیوں کے تو اسلام لانے کے بعد بعض نومسلموں پر ان کا اثر ہو جائے گا پھر ہٹانا مشکل ہوگا۔ اس لیے مشورہ کیا گیا۔ غرض اس مصلحت کا بھی خیال تھا کہ اگر

اب نہ رد کیا جائے تو انجام میں اچھا اثر نہ ہوگا اور اس مقصد کا بھی خیال تھا کہ اس سے وہ نو مسلم پریشان ہوں گے کہ ہم کہہ رہے ہیں تو مشورہ میں بعض نے کہا کہ مقصود تو دعوت ہے تو مرزا کیوں سے تعرض کرنا بھی تو دعوت ہے اس کو کیوں ترک کریں۔ مسلمان بنانا تو ہمارے ذمہ فرض نہیں۔ ہمارا کام دعوت دینا ہے خواہ اس تعرض کے بعد کوئی مسلمان ہو یا نہ ہو۔ اس کی پرواہ نہ کرنی چاہیے اور اب یہاں آکر بھی معلوم ہوا کہ راجح یہی ہے کہ ان کا رد ضرور کیا جائے اور نتیجہ پر نظر نہ مکی جائے۔ اور اسی کو تو فرماتے ہیں۔ ان ربك هو اعلوہم ضل عن سبيلہ و هو اعلوہ بالمہتدین اور وما كان لغفس ان تو من الہا باذن اللہ۔

چنانچہ حضور کا بعض دفعہ جی چاہتا تھا کہ وہی معجزہ ظاہر ہو جائے جو کفار چاہتے ہیں تو اس کا کیا عجیب و غریب جواب ملا وان کان کبر علیک اعراضہو فان استطعت ان تبغی نفقا فی الارض او سلفا فی السماء انتاہم بایہ ولو شاء اللہ لجمہم علی الہدی فلا تکونن من الجاہلین۔ پوری آیت کا مطلب ظاہر ہے۔ (آداب التبلیغ طبع دعوت و تبلیغ ص ۱۲۵، ۱۲۶)

جس مسئلہ کو بیان کرنے میں فساد کا اندیشہ ہو۔

فرمایا کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ گو وہ فی نفسہ صحیح ہوں مگر مفسد ہو جاتے ہیں مفاسد کی طرف جہاں عوام کو ان کی اطلاع ہوئی اور آفتیں کھڑی ہوئیں ایسے مسائل نہیں بیان کرنے چاہیے میں نے بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ علم دین بعض لوگوں کو مضر ہوتا ہے تو یہاں صرف ضررِ علم سے بچانا مقصود ہے اس لیے کہن بھی نہ ہوگا۔ (ملفوظات اشرفیہ ص ۲۴۲)

فرمایا کہ جس مسئلہ پر زور دینے میں فتنہ کھڑا ہوتا ہو اس میں گفتگو بند کر دی

عائے کیونکہ اس خاص دینی مصلحت کی حمایت کرنے سے فتنہ کا دباننا ضروری ہے۔ ہاں مقتدائے اسلام کو شریعت کی ہر بات صاف صاف کہنا چاہیے جیسے امام احمد بن حنبلؒ نے خلقِ قرآن کے متعلق صاف صاف کہہ دیا تھا اور جو ایسا بڑا مقتدانہ ہو اس کی بحث کی ضرورت نہیں جہاں مخاطب سمجھدار منصف مزاج ہوں وہاں صحیح مسئلہ بیان کر دے اور جہاں بحث و مباحثہ کی صورت ہو تو خاموش رہے۔ (افاضات صفحہ ۳۹ ج ۷ ص ۲)

جس وعظ سے فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو اس کی مذمت

اُمم بالمعروف اور ردِ غلط نصیحت اگر و مگر تکر کے طور سے نہ کر دے اس سے اور فتنہ و فساد ہوتا ہے اور اگر تکر کے طور سے نہ بھی ہو تب بھی جہاں فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو وہاں کچھ مت کہو۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے وعظ کہنا چھوڑ دیا تھا۔ بعض پیرزادوں نے اعتراض کیا۔ ایک پیرزادہ نے کہا کہ وعظ کہنا نہیں چھوڑ دیا بلکہ تم کو کافر ہونے سے بچالیا کیونکہ وہ وعظ کہتے تو تم اسے رد کرتے اور وعظ میں شرعی احکام ہوتے ہیں تو تم شریعت کا رد کرتے اور ردِ شریعت کفر ہے۔ واقعی موقع و مصلحت کا سمجھنا حکیم کا کام ہے۔ اگر اس موقع پر حضرت وعظ فرماتے تو بجائے اصلاح کے ان کا ایمان بھی جاتا رہتا۔

خوب سمجھ لو کہ اگر ایسے موقع پر منع کیا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اور زیادہ ضد میں آکر غلط کام کریں گے یا استخفاف کریں گے (حقیر تمہیں گے) اگر استخفاف کریں گے تو کافر ہو جائیں گے اور ان کے کفر کا سبب یہ وعظ ہوگا۔ ایسے امر کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ماں باپ کو گالیاں مت دو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہایت

تعجب سے پوچھا کہ حضورؐ! اپنے ماں باپ کو کون گالیاں دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ کسی کے ماں باپ کو گالیاں دے وہ اس کے ماں باپ کو گالیاں دے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبب بھی مباشرہ کرنے کے حکم میں ہے تو جب تم سبب ہوئے ان کے کفر کے تو گویا تم نے کفر کی تعلیم دی۔ میں ایک دفعہ کہہ کر بہت پھٹتا ہوں۔ ایک صاحب خلاف شرع وضع بنائے ہوئے ریل میں بیٹھتے تھے۔ میں نے کہا کہ شریعت کے خلاف ہے تو اس نے کہا کہ شریعت کی یوں کی یوں۔ یعنی ماں کی گالی دی۔ میں بہت پھٹتا ہوں کہ اتنا فحش آدمی ہے۔ میں نے اس سے کیوں کہا۔

میں سمجھتا ہوں کہ شریعت کی گستاخی ان ناصحین کی بدولت ہوئی۔ یہ خواہ مخواہ انہیں پھیرتے ہیں اور خود بھی برا بننے ہیں اور شریعت کو بھی بُرا کہلاتے ہیں۔ (التبشیر لمحقہ دوت ونبلیغ ص ۳۸۵)

عمدہ تمثیل

امام غزالیؒ کے فتوے عجیب غریب ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ کے متعلق شوقیہ مضامین کا بیان کرنا ایسے شخص کے ساتھ جائز نہیں جس کے لئے حج کرنا جائز نہیں مثلاً وہ شخص جو اہل دعیال کا خرچ بھی پورا نہ کر سکتا ہو اور سب کو چھوڑ کر حج کو چل دے ایسے شخص کے سامنے مکہ معظمہ کے شوقیہ مضامین (بیان کرنا) حرام ہے۔ اب وحشت ہوئی کہ مکہ کے فضائل بیان کرنے کو حرام فرماتے ہیں۔ اس واسطے حرام فرماتے ہیں کہ وہ سن کر چل پڑے گا اور گنہگار ہوگا اور اس کے گناہ کا سبب یہ فضائل بیان کرنے والا ہوگا۔

ایسے امور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ثابت ہیں۔ بنی ثقیف جس وقت مسلمان ہونے آئے تو حضورؐ سے یہ شرط کی کہ ہم مسلمان تو ہوتے ہیں مگر نہ زکوٰۃ

دیں گے نہ جہاد کریں گے۔ آپ نے فرمایا اچھا۔ لوگوں کو بڑی وحشت ہوئی کہ فرض چھوڑنے کی اجازت دے دی۔ آپ نے فرمایا مسلمان تو ہونے دو ۱۴۱۲
(البشیر طبعہ دعوت و تبلیغ ص ۳۹)

مولانا اسماعیل شہید کی حکایت

مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جب لکھنؤ تشریف لے گئے اس وقت وہاں شیعہ کی حکومت تھی۔ مولانا ایک سنی کے ہاں مہمان ہوئے جو شاہی دربار میں کسی عہدہ پر ممتاز تھے اس زمانہ کے اکثر سلاطین میں تعصب نہ تھا اس لئے سنی بھی ان کے دربار میں عزت سے بیٹھتے تھے جب بادشاہ کو مولانا کا تشریف لانا معلوم ہوا تو زیارت کا اشتیاق ہوا کیونکہ مولانا اسماعیل صاحب کی شہرت اور عزت اس زمانہ میں بہت زیادہ تھی۔ آپ کو ایک خاص امتیاز حاصل تھا جو علما میں کسی کو بھی اس زمانہ میں حاصل نہ تھا حالانکہ مولانا آپ کو مشائے ہوئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص عزت دی ہوئی تھی۔ مخالفین بھی مولانا کے کمال کے معقد تھے چنانچہ لکھنؤ کے بادشاہ گو نہ ہوا شیعہ تھے مگر مولانا کا نام سن کر زیارت کے مشتاق ہوئے اور آپ کا وعظ سننا چاہا تو انہوں نے مولانا کے میزبان سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کے یہاں مولانا اسماعیل صاحب تشریف لائے ہیں ہم ان کی زیارت کرنا اور وعظ سننا چاہتے ہیں۔ میزبان کو بڑی فکر ہوئی کہ یہ بلا سر لگی۔ کیونکہ مولانا صاف گو بہت ہیں وہ وعظ میں کسی کی رعایت نہ کریں گے۔ شیعہ کی بھی خوب خبریں گے جو بادشاہ کو ناگوار گذرے گی۔ مگر دوسرے امر رپڑھتا گیا آخر سنی میزبان نے مولانا سے آکر عرض کیا کہ بادشاہ آپ کی زیارت اور وعظ کے مشتاق ہیں میں کئی روز تک ان کو

ثالثاً رہا مگر وہ اصرار یہ اصرار کیے جاتے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ ان کی درخواست کو آپ منظور فرمائیں مگر خدا کے لئے وعظ میں شیعہ اور سنی کے اختلاف کا ذکر نہ فرمائیے گا کیونکہ بادشاہ شیعہ ہے اس کو یہ امر ناگوار ہوگا۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ اس سے بے فکر رہیں میں ایسا بیوقوف نہیں ہوں جو کچھ کہوں گا موقع کے مناسب کہوں گا۔ واقعی سچ فرمایا کیونکہ آپ نے جو کچھ بھی فرمایا وہ موقع کے مناسب ہی تھا۔ گویا بعض نئی سمجھ میں نہ آئے۔

اس کے بعد مولانا شاہی محل تشریف لے گئے بادشاہ نے بڑی تعظیم کے ساتھ آپ کا استقبال کیا پھر وعظ شروع ہوا جس میں تمام درباری مع بادشاہ کے اور کھٹو کے سب علماء اور شیعوں کے مجتہد وغیرہ سب ہی جمع تھے مولانا نے تمہید میں فرمایا کہ صاحبو! اول وعظ کی حقیقت سن لیجئے وہ ایک روحانی علاج ہے اور علاج ہوتا ہے امراض کا تو اب اگر میں وعظ کی حقیقت پر نظر کرتا ہوں تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ جس مرض میں مخاطب مبتلا ہیں اس کا علاج کروں ورنہ پھر وعظ ہی کیا ہوگا اور میں دیکھتا ہوں کہ بادشاہ میں رخص (شیعت) کا مرض ہے مگر ہمارے فلاں میزبان صاحب (جن کے ہاں میں ٹھہرا ہوں) وہ کہتے ہیں کہ مذہبی نزاعات و خلافیات (اختلافی مسائل) کا بیان نہ ہو۔ مگر میں وعظ میں اسی بدعت کا علاج کروں گا۔ اس تمہید میں آپ نے میزبان کو بھی آفت سے بچالیا اور بتلادیا کہ وہ تو نزاعی (اور اختلافی) مسائل کے بیان کرنے سے منع کرتے تھے مگر میں نے ہی ان کی رائے قبول نہ کی تو ان پر کچھ الزام نہیں۔

اس کے بعد مولانا نے ایک آدھ آیت پڑھ کر صحابہ کے مناقب (فضائل) بیان کرنا شروع کر دیئے اور ساتھ ہی اہل بیت کے بھی مناقب بیان فرمائے اور درمیان درمیان میں شیعہ و سنی کے اختلافی مسائل کا بھی بیان فرمایا۔ اور شیعہ مذہب کا خوب الباطل (رد) کیا۔ بادشاہ کی تو یہ حالت تھی

کہ اول سے آخر تک سکتے کی سی حالت میں بیٹھے رہے اور وعظ ختم ہوتے ہی بادشاہ لٹھے اور بہت تعظیم و تکریم کے ساتھ مولانا کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بعض شیعہ علماء کو نواب صاحب کی اس تعظیم و تکریم کے ساتھ حسد پیدا ہوا اور انہوں نے وعظ کے بعد مولانا پر کچھ اعتراضات شروع کئے جن میں سے ایک اعتراض منقول بھی ہے وہ یہ کہ مجتہد شیعہ نے کہا کہ مولانا تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو بھی برا نہیں کہا اور حضرت معاویہؓ نے ہمیشہ آپ کی شان میں گستاخی کی ہے اس سے دونوں کی حالت کا فیصلہ ہوتا ہے مولانا نے جواب دیا کہ اس سے ان دونوں حضرات کا فیصلہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر ہمارا اور آپ کا فیصلہ تو ہو ہی گیا کیونکہ اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ حضرت معاویہؓ کے طریقہ پر ہیں اور ہم حضرت علیؓ کے طریقہ پر ہیں کیونکہ ہم کسی کو برا بھلا نہیں کہتے اور تم رات دن برا کہتے ہو اس جواب سے مجتہد دم بخود رہے (بالکل خاموش) رہ گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ قبلہ کچھ اور سنا ہو تو اعتراض کیجئے۔

یہ حکایت میں نے اس پر بیان کی تھی کہ محقق ہمیشہ ضرورت اور مخاطب کی حالت کے لحاظ سے مضمون اختیار کرتا ہے۔

(املاح ذات البین ملحقہ نواب انسانیت صفحہ ۲۵)

وعظ و تقریر و فتویٰ میں کسی کی بُرائی اور تکفیر و تزیل کرنے کا حق صرف علماء کرام کو ہے۔

کسی کو بُرا کہنے کا منصب عوام کا نہیں بلکہ یہ علماء کا منصب ہے۔ تم کسی سے کچھ نہ کہو بلکہ یہ کام جس جماعت کا ہے اسی پر چھوڑ دو اور علماء کو۔

فاسقوں کے برابر کہنے کا منصب تو ہے ہی اُن کو تو یہ بھی حق حاصل ہے کہ اچھوں کو بھی بُرا کہہ دیں اگر انتظام شریعت کے لئے اس کی ضرورت واقع ہو چنانچہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بزرگ عالم ساری عمر زندگی کئے رہے مگر جب شیخ اکبر کے انتقال کی خبر آئی تو رونے لگے اور فرمایا کہ افسوس کہ آج بہت بڑے صدیق کا انتقال ہو گیا لوگوں کو عبرت ہوئی کہ عمر بھر تو ان کو زندگی کئے رہے اور آج بہت بڑا صدیق بتلاتے ہیں آخر دریافت کیا کہ اگر وہ ایسا عالی مرتبہ والا شخص تھا تو آپ نے زندگی تکہ کہ ہم کو اس کے برکات و فیوض سے کیوں محروم رکھا؟ فرمایا واقعی وہ بہت بڑا صدیق تھا مگر تم کو اس سے کچھ نفع نہ ہوتا اگر تم اس کی صحبت میں جہتے تو زندگی ہی بن جاتے کیونکہ ان کے دقیق علوم عام محفلوں سے بالاتر تھے تم ان کی باتوں کو سن کر سمجھ کے موافق مطلب نکالتے اور حقیقت تک نہ پہنچتے اور زندگی میں مبتلا ہوتے اس لئے میں تم کو ان سے بچاتا رہا اور ظاہر میں زندگی کہتا رہا غرض علماء نے انتظام شریعت کے لئے بعض اچھے آدمیوں کو بھی جان کر بُرا کہا ہے مگر یہ علماء ہی کا منصب ہے عوام کا منصب نہیں ہے (بسیل النجاشی طبع دین و دنیا ص ۶۰)

تکفیر کے باب میں احتیاط

علماء کو مجبور ہونا پڑتا ہے کہ یہ فیصلہ کریں کہ کون مسلم ہیں کون کافر کون صالح کون فاسق مگر کسی معین شخص کے لئے ایسا حکم کرنا بڑا گھٹن کا کام ہے بڑی احتیاط لازم ہے۔ (مجالس حکیم الامت ص ۱۸۰) میں اہل علم کو تنبیہ کرتا ہوں کہ فتویٰ میں یہ طریق اختیار کریں کہ کسی کے کہنے سے دوسرے پر فتویٰ نہ لگائیں اسی طرح کسی پر کفر کا فتویٰ نہ دیں۔ (تکلمۃ الحق ص ۳۲)

باب : ضروری ہدایات و تنبیہات

واعظ کو خیر خواہ اور مشفق ہونا چاہیے۔ ناصح کی دو قسمیں اور خیر خواہی و شفقت کا مقتضی

ناصر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو ضابطہ کے ساتھ نصیحت کرنے والا وہ تو اپنے ضابطہ کی خانہ پوری کر دیتا ہے۔ دوسرا وہ ناصح جس کو سامعین پر شفقت بھی ہے مثلاً ایک تو منادی کا حکم سننا ہے اور ایک باپ کا نصیحت کرنا دونوں میں بڑا فرق ہے۔ منادی کا کام تو ضابطہ کا ہے صرف حکم پہنچانا اس کا فرض منصبی ہے اب تو مانویانہ مانواں سے اس کو کوئی بحث نہیں۔ اور باپ محض سنانے پر قناعت نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی شفقت اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ کسی صورت سے اس کو منوانوں سے اس سے وہ ایسی صورت اختیار کرتا ہے کہ بیٹا مان ہی لے تو دیکھے دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ باپ اگر بیٹے کو کسی مضر نقصان دہ چیز سے روکتا ہے تو اتنا کہہ دینا کہ یہ چیز مت کھانا حکمانہ حق ادا کرنے کے لئے کافی ہے۔ آگے اس کو اختیار ہے چاہے احتراز کرے یا بھاڑ میں پڑے۔

مگر باپ اتنی بات پر اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ شفقت کی وجہ سے کہتا ہے کہ بیٹا یہ چیز مضر ہے۔ دست آور ہے اسے مت کھانا یہ پیٹ میں درد پیدا کر دے گی اس کے کھانے سے پھنسیاں نکل آئیں گی تو اتنا لگتا پٹنا شفیق ہونے کی حیثیت ہے ورنہ اس کو خوف دلانے کی کیا ضرورت پڑی تھی

میں جائگے جس کے یہ واقعات ہیں۔ تو یہ مضمون ترغیب و ترہیب کی حیثیت سے دل کو نرم کرنے والا ہے اس سے مخاطب کے قلب میں احکام کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی پھر عمل کرنے کی توفیق ہوگی کیونکہ شروع شروع میں تو عمل تکلف سے ہوتا ہے کیونکہ طبیعت کے خلاف کام ہے۔ اس واسطے کوئی امر آمادہ کرنے والا اور ابھارنے والا ہونا چاہیے۔ طبیعت کے خلاف دنیا کا کوئی کام بھی بلا طمع (بغیر لالچ یا بغیر خوف کے نہیں ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد کرتے کرتے) عادت ہو جاتی ہے تو ترغیب و ترہیب کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ (لیکن شروع میں ہوتی ہے) اس لیے ترغیب و ترہیب کی ضرورت ہوتی ہے (دعوت و تبلیغ و عطا آداب التبلیغ ص ۱۱)

وعظ کا ایک ضروری ادب حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کی حکایت۔

آپ میں علماء کی طرف رجوع ہوتا ہوں آپ کو عوام کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرنا چاہیے ان کو ذلیل و حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔ وعظ کے آداب میں سے یہ ہے کہ وعظ میں خاص طور پر کسی سے تعرض نہ ہو بلکہ عام خطاب ہونا چاہیے۔

شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ آپ وعظ فرما رہے تھے کہ اسی مجلس میں ایک شخص پر نظر پڑی جس کا جامہ ٹخنوں سے نیچے تھا کوئی آج کل کا مولوی ہوتا تو وعظ ہی میں اس کی خبر لیتا یا کچھ بھی نہ کہتا مگر شاہ صاحب نے وعظ میں تو اس سے کچھ تعرض نہ کیا کیونکہ آداب وعظ میں سے یہ بات ہے کہ وعظ میں خاص تعرض نہ ہو بلکہ عام ہونا چاہیے۔

اور امرا بالمعروف کو ترک نہیں کیا بلکہ جب وعظ ہو چکا تو آپ نے ان صاحب سے فرمایا کہ تم ذرا ٹھہر جاؤ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے وہ تو سہم گیا کہ بس اب میری خبر لی جائے گی۔

مگر اہل اللہ کے یہاں کسی کی خبر نہیں لی جاتی۔ (بلکہ بخردی جاتی ہے۔ چنانچہ سب لوگ چلے گئے تو آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی میرے اندر ایک عیب ہے جس کو تم پر ظاہر کرتا ہوں وہ یہ کہ میرا باجاء کھک کر ٹخنوں سے نیچے پہنچ جاتا ہے اور اس کے متعلق حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔ اس کے بعد آپ نے سب وعیدیں بیان کر دیں پھر کھڑے ہو کر فرمایا دیکھنا میرا باجاء ٹخنوں سے نیچے تو نہیں ہے؟ اس شخص نے شاہ صاحب کے پیر کچڑائیے اور کہا کہ حضرت آپ میں یہ عیب کیوں ہوتا۔ یہ مرض تو مجھ نالائق میں ہے میں آج سے توبہ کرتا ہوں انشاء اللہ پھر ایسا نہ ہو گا۔

دیکھئے شاہ صاحب نے کس شفقت کے ساتھ نصیحت فرمائی جس کا فوراً اثر ہوا۔ واللہ شفقت کا اثر مخاطب پر ضرور ہوتا ہے ہم کو ہم مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔
(العبدالربانی بحقوق و فرائض ص ۲۸)

مبطلین اور واعظین کی بہت بڑی غلطی۔

بعض غیر محقق واعظین کہہ دیا کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رزق کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ و ما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها تو پھر لوگ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا اس آیت پر ایمان نہیں ہے۔ سو یاد رکھو کہ یہ الزام بھی غلط ہے کہ اس آیت پر مسلمانوں کا ایمان نہیں۔ نہیں سب کا ضرور ایمان ہے اور ایمان ہونے کے باوجود پریشانی

بھی اسی کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ وعدے دو قسم کے ہیں ایک مبہم اور ایک معین۔ اللہ نے مبہم وعدہ فرمایا ہے کہ رزق ملے گا۔ لیکن یہ نہیں فرمایا کہ کب ملے گا اور کہاں سے ملے گا اور کس طریقہ سے ملے گا اور کتنا ملے گا۔ تو پریشانی ابہام کی وجہ سے ہے۔ اور ساتھ ہی اس مبہم وعدہ پر پورا یقین ہے کہ وقت مقدر پر ضرور ملے گا۔

بعض واعظین اسی الزام کو ٹوک کر (مضبوط) کرنے کے لئے مثال دیا کرتے ہیں کہ اگر کوئی دوست دعوت کر دے تو اطمینان ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ

اسکے وعدہ پر اطمینان نہیں؟ یہ بھی غلط اور قیاس مع الفارق ہے اور خواہ مخواہ مسلمانوں کو کافر بنانا ہے۔ واللہ اگر حق تعالیٰ کے کلام مجید میں معین وعدہ ہوتا تو ہرگز ہرگز کسی کو پریشانی نہ ہوتی اور اگر دعوت میں بھی وقت معین نہ کیا جائے مبہم کہہ دیا جائے کہ کسی وقت کی دعوت ہے تو وہاں بھی اطمینان نہ ہوتا۔

یہاں اتنی بات فرمائی ہے کہ رزق ملے گا۔ اس پر ایمان ہے۔ شریعت میں غلو نہ کرنا چاہیے جس قدر جو بات ثابت ہو اسی پر رہنا چاہیے۔ اہل کتاب کو ارشاد ہے۔ یا اهل الكتاب لا تغلوا فی دینکم۔ یعنی اے اہل کتاب دین میں غلو نہ کرو۔ فروع میں ان کے غیر مکلف ہونے کے باوجود ان کو (اہل کتاب) کو خطاب کیا گیا تو ہم تو بدرجہ اولیٰ اس حکم کے مکلف ہوں گے۔

ایک اور تنبیہ

اسی طرح غیر محقق واعظ ایسی چٹری پھرتے ہیں کہ مسلمانوں کو کافر بناتے چلے جاتے ہیں چنانچہ جو لوگ نماز میں سستی کرتے ہیں ان کو منافق کہہ دیتے ہیں اور آیت پڑھ دیتے ہیں۔ واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالی۔

رجب منافقین نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں یہ آیت منافقین کی شکایت میں ہے کہ وہ نماز کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں کہ اکاہل (سست) ہوتے ہیں۔ (مفاسد گناہ الجناح ص ۱۸)

خوب سمجھ لو کہ کسل اعتقادی اور شئی ہے اور کسل طبعی جدا شئی ہے منافقین میں کسل اعتقادی تھا۔ یعنی ان کو فرض نہ سمجھنے کی وجہ سے کسل تھا اور مسلمانوں میں کسل طبعی ہے فرض ہونے میں تردد نہیں اس کو دوسرے عنوان سے سمجھئے کہ بعض مرتبہ لازم اعم ہوتا ہے اور اس کا تعلق طرذومات متعددہ سے ہوتا ہے کسل لازمی شئی ہے۔ منافقین میں اس کا طرذوم اعتقاد کی سستی ہے اور مسلمانوں میں طبع سے مسلمان کیسا ہی ضعیف الایمان ہو اس کو کسل اعتقادی کہی نہ ہوگا۔ تو یہاں مطلق کسل مراد نہیں لیکن ہمارے عظیم سب کو ایک لکھڑی سے ہانک دیتے ہیں اسی طرح آیت و اذا حس الانسان ضیوعاً ناداً الایہ کفار کے بارے ارشاد ہے کہ جب کوئی مصیبت ہوتی ہے تو خدا کو پکارتے ہیں اور جب وہ مصیبت جاتی رہتی ہے تو پھر غفلت میں پڑ جاتے ہیں۔ تو یہی حالت بعینہ مسلمانوں کی بھی ہے تو کیا مسلمان بھی اس آیت کے تحت داخل ہیں اگر داخل ہیں تو مفسرین کفار سے اس کی تفسیر کیوں کرتے ہیں؟ اس کا بھی یہی جواب ہے کہ مسلمان کے اندر اس کا منشاء طبیعت ہے اگرچہ یہ بھی کمی اور قابل اصلاح ہے لیکن اس غفلت سے کفر لازم نہیں آتا اور کافرین کے اندر اس کا منشاء اعراض و انکار اور کفر ہے۔ (مفاسد گناہ ص ۱۸۔ مفاسد گناہ الجناح ص ۱۸)

واعظ کو اپنے وعظ و تقریر پر غور نہ ہونا چاہیے وعظ و تقریر اور مضامین کی آمد کو اپنا کمال نہ سمجھنا چاہیے۔
 ہر مجلس وعظ میں (عموماً) کوئی نہ کوئی ایسا ہوتا ہے جو اللہ کے نزدیک

مقبول ہوتا ہے۔ واعظ صاحب اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ علوم و معارف جو میں بیان کرتا ہوں۔ یہ میرا کمال ہے۔ صاحبو! نہ معلوم یہ کس اللہ کے بندے کی برکت سے بیان ہوتے ہیں۔

بعض دفعہ وعظ میں کوئی بزرگ ہوتے ہیں۔ وعظ اس کران کا جی خوش ہوتا ہے حق تعالیٰ ان کی خوشی کی برکت سے واعظ کو بھی نواز لیتے ہیں۔

ایک حکایت

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ کسی عالم کے وعظ میں بیٹھے ہوئے تھے اور وعظ کی طرف متوجہ تھے ان کی توجہ کی برکت سے وہ عجیب عجیب علوم بیان کرتے رہے۔ درمیان وعظ میں عالم صاحب کو عجیب پیدا ہوا اور وہ اپنے علوم پر دل ہی میں فخر کرنے لگے تو بزرگ نے اپنی توجہ دوسری طرف متوجہ کر دی بس ان کی توجہ کا بند ہونا تھا کہ عالم صاحب کو مضامین کی آمد بند ہو گئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ علوم کسی دوسرے کی توجہ سے آرہے تھے۔ ہمارے حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ بعض سامعین مثل طفل (بچہ) کے مانند ہوتے ہیں۔ جس طرح بچہ کی کوشش سے ماں کے پستان میں دودھ (قدرا) اترتا ہے اور اگر وہ دودھ پینا چھوڑ دے تو چند روز میں چھاتیاں اکڑ کر رہ جاتی ہیں اور دودھ کی آمد بند ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سامعین کی طلب و کوشش سے واعظ کے قلب میں علوم القار ہوتے ہیں اگر یہ طلب نہ ہو تو شیخ صاحب کو رے کے کورے رہ جائیں۔

کسی کو اپنے حفظ یا علم پر ناز نہ کرنا چاہیے حق تعالیٰ اگر چاہیں تو ایک سیکنڈ میں سب چھین لیں پھر کورے کے کورے رہ جاؤ۔ چنانچہ ان عالم صاحب کو وعظ میں عجب و ناز پیدا ہوا تھا ان بزرگ نے اپنی توجہ فوراً ہٹا لی۔ ان کا توجہ ہٹانا

تھا کہ سب معلوم بند ہو گئے تھے (العبدالربانی ملحقہ حقوق و فرائض ص ۱۵۸)

حضرت تھانویؒ کا واقعہ

خود میرا واقعہ ہے کہ ایک بار میں گڑھی خام جو ہمارے قصبہ سے قریب ایک بستی ہے وہاں لوگوں نے وعظ کی درخواست کی۔ میں نے وعظ کا وعدہ کر لیا اور اس وقت قلب میں یہ دسوسہ ہوا کہ بحمد اللہ مجھے وعظ پر قدرت حاصل ہے۔ اس کے بعد جو وعظ کہنے بیٹھے تو خطبہ اور آیت پڑھ کر رہ گیا مضمون بھی (ذہن میں) کچھ نہ آیا۔ ہر چند بہت زور لگایا مگر جل ہی نہ سکا۔ پھر خیال ہوا کہ میں نے اتنے وعظ کہے ہیں لاؤ ان ہی میں سے ایک کا اعادہ کر دوں مگر پہلے مواعظ کا مضمون بھی کچھ یاد نہ آیا اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ میرے اس دسوسہ کا جواب ہے جو حق تعالیٰ نے دکھلایا کہ تم خود (کچھ) نہیں بیان کر سکتے بلکہ ہم ہی کہلوانا چاہتے ہیں تو سب کچھ کہہ سکتے ہوسے (العبدالربانی ص ۱۵۸)

پولکا دینے والی آیت۔

اور اُس روز اس آیت کی تفسیر منکشف ہوئی۔ وَلَنْ شُنَّا لِنَذْهَبَ بِالْذِّمَّةِ اَوْ حِينَا اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا۔ یعنی اگر ہم چاہیں تو وہ تمام علوم جو آپ کو دیئے ہیں دفعۃً سب کو سلب کر لیں پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کسی کو اپنا کارساز و مددگار نہ پائیں گے۔

اسی طرح ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔ وَاَنْ لِّشَايِدِ اللّٰهُ يَخْتَمُ عَلٰى قَلْبِكَ۔ یعنی اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل میں مہر لگا دے۔

اللہ اللہ کتنا سخت کلمہ ہے۔ کتنا ہولناک خطاب ہے آپؐ پر ہی

تو گئے ہوں گے۔ یہ معلوم یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر گیا گزری ہوگی۔
تعب نہیں کہ یاس کی نوبت آجاتی اسی لیے حق تعالیٰ نے یہ چیز آگے بڑھا
دیا۔ الارحمة من ربك پس رحمت خداوندی ہی ساتھ دے سکتی ہے اور
کوئی ساتھ نہیں دے سکتا۔

ان الفاظ کے جوڑنے سے یہ چلتا ہے اس حالت کا جو آیت کے اترنے
سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گزری ہوگی۔ کہ اتنے لفظ پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ الا
رحمة من ربك۔ کیونکہ اس سے اتنا معلوم ہوا کہ رحمت دستگیری کر سکتی ہے
مگر اس کا وقوع ہوگا یا نہیں اس لفظ سے اس کا اطمینان نہیں ہوتا اس واسطے
ایک جملہ اور بڑھا دیا۔ ان فضله کان علیک کبیروا یعنی چونکہ خدا تعالیٰ کا فضل
آپ کے شامل حال ہے اس لیے بالفعل رحمت آپ کی دستگیر ہے آپ کسی
طرح کا اضطراب نہ کریں۔ پس اس لفظ سے یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان
ہو گیا ہوگا کہ ایسا واقع نہ ہوگا کہ علوم سلب ہو جائیں۔ صرف اظہار قدرت اور
تصحیح عقیدہ کے لئے ایسا فرمایا گیا۔

مگر آج کل لوگ اس فکر میں ہیں کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا بنا
دیں۔ میں کہتا ہوں کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کرتے ہو کیونکہ ہم آپ کو
عبداللہ کہتے ہیں اور عبد بھی کیسا عبد کامل۔

اگر کسی کو اپنے علم پر ناز ہو تو سن لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر
تو کسی کو علم عطار نہیں ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ گشتگو ہے
تو دوسروں کا کیا کہنا ہم کو ذرا ہوش سنبھالنے کی ضرورت ہے کسی کو علم پر ناز
ہے تو حماقت ہے، عمل پر ناز ہے تو حماقت ہے، عرفان پر ناز ہے تو حماقت ہے
ان میں کوئی چیز بھی اس درجہ میں مکتب نہیں جس پر ناز کیا جائے جس کو
جو چیز حاصل ہے وہ صب عطار الہی ہے اس کو اپنی چیز سمجھنا اور تزکیہ نفس کرنا
کبر ہے۔

کسی کو اپنے حفظ یا علم پر ناز نہ کرنا چاہیے حق تعالیٰ اگر چاہیں تو ایک سیکنڈ میں سب چھین لیں پھر کورے کے کورے رہ جاؤ۔
(العبدالربانی ص ۹۹، ص ۱۰۸، التبلیغ ص ۱۸، العلم والعلماء ص ۲۸)

ایک بڑی کوتاہی، عوام سے سلام کرنے سے عار۔

ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارے اندر بکھر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ہم کو اپنے علم پر ناز ہے۔ دوسرے مسلمانوں کو ہم اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھتے ہیں۔ ہمارے غل کی یہ حالت ہے کہ مولوی صاحب بکتر کی وجہ سے کسی عامی شخص کو کبھی خود سے سلام نہ کریں گے۔ میں خود اپنی حالت بیان کرتا ہوں کہ راستہ میں کوئی ایسا مسلمان ملتا ہے کہ اصطلاحی عالم نہ ہو تو اس کو ابتداء سلام کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

مجھے علماء سے شکایت ہے کہ ہم لوگ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں۔ عوام کو سلام کرنے سے ہم کو عار آتی ہے۔ یہ اس کے منظر رہتے ہیں کہ پہلے دوسرے لوگ ہم کو سلام کریں۔ ہم عوام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ مناسب یہ تھا کہ ہم ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرتے۔ بتلائیے اگر ایک تندرست آدمی بیمار کو دیکھے تو اس کو مریض کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اس کو دیکھ کر رحم آتا ہے۔ ایسے ہی مناسب یہ تھا کہ علماء عوام پر رحم کرتے اور ان سے شفقت برتتے۔
(العبدالربانی ملحقہ حقوق و فرائض ص ۴۶)

واعظ صاحب کیلئے اہم ہدایات اور ضروری تنبیہ۔

جس کے سپرد حق تعالیٰ نے اصلاح خلق کا کام کر دیا ہو اس شخص کو بھی

تفتیش حالات کی ضرورت ہے۔ حالات کا علم ہوئے بغیر اصلاح ممکن نہیں
مثلاً کوئی شخص مصلح قوم ہو اس کو بھی مجموعی طور سے قوم کے حالات کا علم حاصل
کرنے کی ضرورت ہے ورنہ وعظ و نصیحت کچھ بھی نہ کر سکے گا مگر مصلح کو بھی
اسی وقت اجازت ہے جب کہ تفتیش سے مقصود اصلاح ہو اور اگر تحقیر کے
لئے ایسا کرے گا تو اس کو بھی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔ **انما الاعمال بالنیات**
اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ (رسولات جدید ص ۹۲)

اور یہ جو میں نے کہا کہ اصلاح قوم کے لئے حالات کی تفتیش جائز ہے اس
کے کچھ آداب بھی ہیں ان کو معلوم کر لینا ضروری ہے۔

ایک ادب تو اس کا یہ ہے کہ کسی شخص کی اصلاح عام مجمع میں نہ کی جائے
اگر مجمع میں عام خطاب (یعنی وعظ و تقریر میں) کہے تو ایسے پتے نہ دے اور
ایسی باتیں نہ کہے کہ لوگ سمجھ جائیں کہ فلاں شخص کو کہا جا رہا ہے کہ عوام میں
اس کی رسوائی ہوتی ہے شرمندگی ہوتی ہے اور اس شرمندگی کا اثر یہ ہوتا ہے
کہ نصیحت کرنے والے سے (دعا و غلط اور مقرر و مصلح صاحب سے) بغض ہو جاتا
ہے بلکہ بعض اوقات اس امر (ناجائز) کو ترک کرنے کے بجائے اس میں اور
زیادہ سختہ ہو جاتا ہے۔ کہ میری رسوائی تو ہو ہی گئی پھر میں کیوں چھوڑ دوں۔

مجھے ایسا سابقہ بہت پڑا ہے یعنی یہ فراموش کی جاتی ہے کہ فلاں شخص
سود لیتا ہے درادعظ میں اس کی خبر لیجئے گا۔ یا فلاں شخص نے حقوق دیا
رکھے ہیں ذرا اس کے متعلق فرما دیجئے گا۔ لیکن بحمد اللہ ان فراموشیوں پر
کبھی عمل نہیں کرتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اصلاح کا یہ طریقہ بکائے مفید
ہونے کے مقرر ہے۔ سننے والے قرائن سے سمجھ جاتے ہیں کہ فلاں کو کہا جا
رہا ہے اور اس کا عام مجمع میں اس کی شرمندگی ہوتی ہے جس کا نتیجہ بغض و
عداوت ہے اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اگر واقعی ان لوگوں کی اصلاح منظور
ہو تو پہلے ان سے میل جول پیدا کیا جائے جب خوب بے تکلفی ہو جائے

تو وقتاً فوقتاً نرمی سے ان کو سمجھایا جائے اور خدا تعالیٰ سے ان کے لئے دعا کی جائے اور جو تدبیریں ثابت ہوں ان کو عمل میں لایا جائے۔

(نسیان النفس لمحقة آداب الانیة ص ۱۱۶)

لوگوں کی عام غلطی اور واعظ کے لئے ضروری ہدایت

آج کل لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جہاں کہیں کوئی مولوی باہر کا کسی شہر میں پہنچا اور لوگوں نے اس سے سوالات کرنا شروع کر دیئے۔ یہ بھی بہت برا مرض ہے کیونکہ پر دسی آدمی کو شہر کے واقعات پوری طرح معلوم نہیں ہوتے اور پوچھنے والے جہالت کی وجہ سے پوری بات بیان نہیں کرتے۔ وہ (مقرر) جتنی بات سنتا ہے اس کے موافق جواب دے دیتا ہے اس کو یہ لوگ فتویٰ قرار دے کر وہاں کے علماء سے الجھتے ہیں کہ تم نے تو یہ کہا تھا اور فلاں عالم یہ فرما گئے ہیں۔ حالانکہ ممکن ہے کہ وہاں کے واقعہ کی پوری تحقیق ہو (اور صحیح صورت حال کا علم ہو) جس کی بنا پر انہوں نے دوسرا جواب دیا ہو۔

اسی لئے میری عادت ہے کہ سفر میں ایسے سوالات کے جوابات نہیں دیا کرتا اور کہہ دیتا ہوں کہ سوال کی پوری صورت حال لکھ کر ڈاک میں میرے پاس بھیج دینا۔ اطمینان سے جواب دوں گا۔ اس کے بعد وہ کسی سے الجھے گا تو جواب کے ساتھ لوگ اس کے سوال کو دیکھ لیں گے کہ اس نے سوال کس طرح کیا تھا اور زبانی سوال کے جواب میں لوگ صرف جواب کو نقل کر دیتے ہیں۔ اپنے سوال کو پورا نقل نہیں کرتے کہ ہم نے سوال کس طرح کیا تھا۔

ایک مرتبہ رام پور گیا تھا تو وہاں ایک صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ گیارہویں شریف کرنا کیسا ہے؟ میں سمجھ گیا کہ اس کا مقصد میرے مسلک پر عمل کرنا نہیں

ہے بلکہ محض مجھے بدنام کرنا ہے کہ یہ وہابی ہے۔ اس لیے میں نے اس سے یہ سوال کیا کہ تم عل کے واسطے پوچھتے ہو تو تم کو شہر کے علماء سے پوچھنا چاہیے جن کی دینداری اور تقویٰ کا تم کو تجربہ ہے مجھ سے تم واقف نہیں ہو۔ صرف آج ہی آپ کی مجھ سے ملاقات ہوئی ہے ایک دن میں تم کو میری دیانت اور تقویٰ کا تجربہ نہیں ہو سکتا۔ میرے ساتھ کچھ دن رہو گے جب میری حالت سے واقف ہو گے۔

اور اگر امتحان لینے کے واسطے پوچھتے ہو تو تم کو میرا امتحان لینے کا کوئی حق نہیں۔ جن لوگوں نے مجھ کو پڑھایا ہے وہ سہ ماہی و ششماہی و سالانہ امتحانات میرے لئے چکے ہیں آپ سے میں نے کچھ پڑھا نہیں نہ پڑھنا چاہتا ہوں اس لیے آپ کو میرا امتحان لینے کا کوئی حق نہیں۔ بس اس جواب پر وہ اپنا منہ لے کر رہ گئے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ میں ان کے سامنے اپنا میلک بیان کر دوں۔ پھر مجھ میں اور وہاں کے علماء میں مناظرہ ہو سو میں الیادوںک نہیں پالتا۔

بعض علماء کو مناظرہ کا اور بحث و مباحثہ کر لے کا شوق ہوتا ہے۔ وہاں جاتے ہیں مناظرہ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مناظرہ کے بعد بھی لوگ اسی حال پر رہتے ہیں۔ ہاں ان کا وقت اچھی طرح برباد ہوتا ہے۔ آج کل مناظروں میں اظہار حق تو مطلوب ہوتا نہیں محض ہارجیت مد نظر ہوتی ہے چنانچہ ہر فرقہ اپنی اسی کوشش میں ہوتا ہے کہ جس طرح ہو سکے دوسرے کی ہر بات کو توڑا جائے چاہے اس کے منہ سے ایک دو بات سچی نکل جائے۔ مگر یہ اس کو بھی رد کرنا چاہتے ہیں۔

(حقیقت تصوف و تقویٰ و عفت ترک والا یعنی مشق)

واعظ کے مخلص و غیر مخلص ہونے کا معیار۔

دینے کا کام وہ ہے جس میں اخلاص ہو۔ عملہ شعرائی نے اخلاص کی ایک علامت نکھی ہے وہ یہ ہے کہ جو کام تم کر رہے ہو اس کام کا کرنے والا تم ہے اچھا اس بستی میں آجائے اور وہ کام ایسا ہو جو علی العین واجب نہ ہو جیسے مسجد و مدرسہ کا اہتمام یا واعظ کہنا۔ پیری مریدی کرنا۔ کسی نیک کام کے لیے چندہ کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو تم کو اس کے آنے کی خوشی ہو رنج نہ ہو۔ بلکہ تم خود لوگوں کو اس کے پاس بھیجو کہ وہاں جائزہ مجھ سے بہتر میں۔ اور سارا کام خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالے کر کے خود ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ اور دل میں خدا کا شکر کرو کہ اس نے ایسے آدمی کو بھیج دیا جس نے تمہارا کام بٹوایا اگر یہ حالت ہو تو تب تم واقعی مخلص ہو۔

مگر اب تو کسی عالم کی بستی میں کوئی دوسرا چلا آئے جس کی طرف رجوع ہونے لگے تو جلے مرتے ہیں اور دل سے یہ چاہتے ہیں کہ اس شخص سے کوئی ایسی بات ظاہر ہو جس سے عوام بدگمان ہو جائیں گویا اپنے کو وحدۃ لا شریک سمجھتے ہیں کہ بس تمام لوگوں کو ہماری ہی طرف رجوع کرنا چاہیے کسی اور کی طرف رخ بھی نہ کرنا چاہیے کیونکہ قبلہ و کعبہ تو ہم ٹھہرے پھر دوسری طرف نماز کیسی؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس حالت میں تم ہرگز مخلص نہیں ہو بلکہ اخلاص سے منہس ہو۔

(ترجمہ الآخرہ ص ۵۰ طبع دنیا و آخرت)

باب ۱۲۔۔۔ مختلف جلسوں کے احکام

ربیع الاول میں عید میلاد النبی کے جلے !

کچھ مہینے ایسے ہیں جن کے متعلق کوئی احکام نہیں مثلاً ربیع الاول کہ (از روئے شریع) کوئی حکم اس کے متعلق نہیں بعض لوگوں نے مولود (ذکر میلاد النبی) کو اس میں ضروری کر لیا ہے اور اگر کوئی منع کرے تو کہتے ہیں ذکر رسول سے منع کرتے ہیں۔ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی نماز پڑھے تجس کپڑوں میں تو اسے منع کریں گے کہ نماز نہ ہوگی بلکہ گناہ ہوگا نیکی بریاد ہوگی گناہ لازم ہوگا۔

نعوذ باللہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے کون منع کرتا ہے یہ تو تہمت ہے بلکہ بے طریقہ ہونے کی وجہ سے منع کرتے ہیں اس کا معیار ہمارے پاس صحابہ کا طریقہ ہے چنانچہ اس زمانہ میں ذکر شریف ہوتا تھا نہ مٹھائی گئی قید تھی نہ اس طور پر فرش و فرش اور روشنی (سجاوٹ) وغیرہ کا اہتمام تھا نہ کوئی خاص زمانہ مقرر تھا نہ کوئی قیام کرتا تھا بلکہ شوق و محبت سے ذکر کرتے تھے (الوقت ۳۷۲ طے حقوق و فرائض)

بعض مجتہدین کی عبادت ہے کہ وہ ربیع الاقل کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا ذکر کیا کرتے تھے اور یہ بڑی خوبی کی بات ہے مگر اس کے ساتھ ان کو جو غلطی واقع ہے ہے اس کا رفع کرنا بھی ضروری ہے۔ (ذکر الرسول ص)

بارہ ربیع الاقل کی تاریخ اگرچہ باریکت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف اس میں مزید باریکت کا باعث ہے لیکن چونکہ اس کی تخصیص

اور اس میں ذکر کا التزام کرنا بدعت ہے اس لیے اس تاریخ کی تخصیص کو ترک کر دیں گے۔
(وعظ السرد مٹ)

بارہ ربیع الاول میں ذکر میلاد النبیؐ کی تخصیص شرعیّت سے ثابت نہیں۔

اس ماہ کی فضیلت کے ہم منکر نہیں فضیلت اس میں ضرور ہے کیونکہ ربیع الاول کے مہینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور جس زمانہ میں آپ کی ولادت ہوئی وہ ماہ ایسا نہیں ہے کہ حضورؐ کی ولادت کی وجہ سے اس میں شرف نہ آئے جیسے ولادت شریفہ کا مکان اسی وجہ سے معظم ہے کہ حضورؐ کی جائے ولادت ہے اسی طرح وہ زمانہ بھی شریف ہوگا جس زمانہ میں حضورؐ کی ولادت ہوئی (۱۰ اظہار ص ۶۵)

لیکن ربیع الاول کی فضیلت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس فضیلت والے زمانہ کو بلا دلیل شرعی جس عبادت کے لئے چاہے نیا اس کر لیا جائے پس ربیع الاول میں فضیلت ہے مگر اس کی تخصیص ذکر نبویؐ کے لئے ثابت نہیں جیسے جمعہ کے روزہ کی تخصیص کی ممانعت حدیث میں آئی ہے۔ باوجودیکہ اس کے فضائل بھی وارد ہیں چنانچہ حدیث میں اس کی فضیلت میں آیا ہے۔ **فيه ولد آدم وفيه ادخل الجنة الخ** کہ اسی دن میں آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور اسی دن آپ جنت میں داخل کئے گئے اور اسی روزہ زمین آمارے گئے)

تو دیکھئے جمعہ کے بارے میں باوجودیکہ یہ فضائل خود حدیث میں ثابت ہیں۔ لیکن اس دن میں تخصیص صوم (روزہ رکھنے کی تخصیص) کی ممانعت ہے۔

تو ربیع الاول کے فضائل تو منصوص بھی نہیں تو اس میں تخصیص ذکر کی اجازت کیے ہوگی مگر پھر مکرر کہتے ہیں کہ باوجود اس منع تخصیص کے اس ماہ کی فضیلت کے ہم منکر نہیں فضیلت اس میں ضرور ہے اگر اس میں فضیلت نہ ہوتی تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کیوں کئے جاتے (وعظ النور طحہ مجمع البحرین ص ۳)

ایک شبہ

بعض لوگ آج کل ذکر میلاد النبیؐ میں تخصیصات کے پابند ہیں سو ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو خاص خاص ازمنہ کے ساتھ مختص کر دیا ہے جیسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویٰ کرنے والوں نے ذکر حسینؑ کو محرم کے ساتھ خاص کر دیا ہے ایسے ہی ان مدعیان محبت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو ربیع الاول کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔

اور تعجب نہیں کہ میرے اس وقت بیان کرنے سے کسی کے ذہن میں یہ بات آئی ہو کہ بیان بھی شاید اسی وجہ سے ہو رہا ہے کہ یہ مہینہ اسی بیان کا ہے اور اس کے ذہن میں آنے سے دو قسم کے لوگوں کو تعجب ہوگا۔ تخصیصات میں غلو کرنے والوں کو تو یہ تعجب ہوگا کہ یہ لوگ تخصیص پر کلام کرتے ہیں یعنی منع کرتے ہیں پھر اس کا ارتکاب کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے کیا ان لوگوں کے قول و فعل مطابق نہیں ہوتے۔ اور تخصیصات کو منع کرنے والوں کو یہ تعجب ہوگا کہ اس نے محققین کا مسلک کیوں چھوڑا بہر حال چونکہ ایک جماعت نے ذکر رسولؐ کو خاص اوقات کے ساتھ خاص کر دیا ہے اس لئے میرے بیان پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ (وعظ النور مجمع البحرین ص ۵)

ربیع الاول میں بیان کرنے کی ضرورت اور شبہ کا جواب۔

ربیع الاول کا مہینہ ہے اس میں یہ مضمون بیان کر رہا ہوں تو شاید پڑھتے دیکھنے والوں کو یہ شبہ ہو کہ ہم میں اور اہل بدعت میں کیا فرق رہا؟ وہ بھی بیان کے لئے اس ماہ کی تخصیص کرتے ہیں اور تم نے بھی کی۔

تفصیل بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں کوئی تخصیص نہیں تخصیص کیسے ہو یہاں تو کوئی بیان اور کوئی وعظ اس سے خالی نہیں جاتا کہ آپ کی تشریف آوری کی حکمتیں اور اسرار و مقاصد اس میں بیان نہ ہوں۔ لیکن اب بھی شاید کسی کو شبہ ہو کہ اور زمانوں میں تو اس خاص اہتمام کے ساتھ اس کا بیان نہیں ہوا اور اس طرح خاص اسی ماہ میں کیوں کیا گیا تو اس لئے عرض ہے کہ ہم نے اس ماہ کو اس ذکر کے لئے من حیث انہ زمانہ الولادة مخصوص نہیں کیا بلکہ من حیث انہ یذکر فیہ اہل البدعة ذکر الولادة ولا یحترمون عن البدعات (یعنی اس وجہ سے اس ماہ کی تخصیص نہیں کی گئی کہ اس ماہ میں ولادت شریف ہوئی ہے بلکہ اس وجہ سے یہ تخصیص کی ہے کہ اہل بدعت اس ماہ میں ذکر ولادت شریف کی مجلسیں کیا کرتے ہیں اور ان میں بدعات سے نہیں بچتے۔)

جیسے حکیم صاحب اسی وقت دوا دیں گے جب درد ہو اور جب درد جاتا رہا گو دوا دینا اس وقت بھی اس حیثیت سے کار آمد ہے کہ جب کبھی درد ہوگا استعمال کریں گے لیکن درد کے وقت کو تو اس وقت پر ترجیح ہوگی۔ پس درد اور مرض جیب دیکھا جاتا ہے جب ہی وہ دوا

دی جاتی ہے اور وہ مرض اسی ماہ میں شروع ہو جاتا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس کا معالجہ اور اصلاح کی جائے۔ بخلاف اس کے کہ چار ماہ پہلے یا سچھے یہ مضمون بیان کیا جاتا تو گو مفید ہوتا لیکن اس مدت کے اندر لوگ اس کو قبول بھلا جاتے اور اتنی ہم نے ان کی مخالفت بھی کر لی کہ وہ لوگ تو بارہویں کا انتظار کرتے ہیں ہم کو اتنا صبر کہاں تھا۔ ہم نے اس ماہ کے شروع ہوتے ہی پہلے ہی مجموعہ کو بیان شروع کر دیا۔ اس مخالفت کرنے سے اب ہم پر کچھ شبہ نہیں ہو سکتا۔ ہم نے یہاں بھی اہل بدعت کی مخالفت کر لی۔ اس کے بعد تو اگر ہم دقائق اور قصص بھی ہم بیان کرتے تو کچھ حرج نہ تھا۔ لیکن ہمارے بیان کا زیادہ تر مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ناز بغرض تنبیہ اور اصلاح دین ہوتا ہے اس لیے شبہ کی بھی کوئی بات نہیں۔

(الطہور طحۃ مجمع البجور ص ۶۹)

(اس لیے) چند سال سے میرا معمول ہے کہ ماہ ربیع الاول کے شروع میں ایک وعظ اس ماہ میں افراط و تفریط کرنے والوں کی اصلاح کے متعلق کہا کرتا ہوں اور اس میں طبعاً واستطراداً فوائد علیہ نکات و حقائق کا بھی بیان آ جاتا ہے۔

(وعظ السردوٹ)

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے متعلق لوگوں میں آج کل بہت سے منکرات اور اختراعات شائع ہو گئے ہیں جن سے عملاً و اعتقاداً لوگوں کی حالت خراب ہو گئی ہے اور ان منکرات کا ارتکاب اسی مہینہ میں اکثر کیا جاتا ہے اس لیے بھی اس وقت یہ مضمون اختیار کیا گیا ہے تاکہ یہ بتلادیا جائے کہ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں پس اس وقت کے ذکر کی بنا ربیع الاول کی تخصیص نہیں (بلکہ منکرات پر نیکر کرنا اصل بنا رہے) (مجمع البجور ص ۳)

خاص طور پر بارہ ربیع الاول میں جلسہ اور تقریر۔

آج بارہ ربیع الاول ہے اسی تاریخ میں لوگ افراط و تفریط کرتے ہیں تو اس تاریخ کا یا تخصیص ارادہ نہیں کیا گیا اور نہ نعوذ باللہ اس تاریخ سے ضد ہے بلکہ الحمد للہ ہم اس میں برکت کے قائل ہیں۔ پس یہ تاریخ اگرچہ بابرکت ہے لیکن چونکہ اس کی تخصیص اور اس میں ذکر کا التزام کرنا بدعت ہے۔ اس لیے اس تاریخ کی تخصیص کو ترک کر دیں گے۔

اگرچہ اس یوم (بارہ ربیع الاول) میں افراط و تفریط کے متعلق بیان کرنا زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جو افراط و تفریط کرتا تھا آج ان لوگوں نے کیا کر لیا ہوگا اب بیان سے کیا فائدہ مگر یہ ایام پھر بھی انشاء اللہ تعالیٰ آنے والے ہیں اور نیز ربیع الاول کے علاوہ اور دنوں میں بھی لوگ ایسی مجلسیں منعقد کرتے ہیں اور اس میں حدود شرعیہ سے متجاوز ہوتے ہیں اس لیے اس کے متعلق بیان کر دینا نفع سے خالی نہیں۔

(دعوتِ اسلام اور تحفۃ مجمع البحار ص ۱۱)

(خلاصہ یہ کہ) اصل میں اجتماع (یعنی جلسہ اور تقریر) احکامِ سننے کے لئے ہوا اور اس میں یہ مبارک واقعہ اور فضائلِ نبویؐ کا بھی بیان ہو جائے یہ صورت بلا نیکر جائز ہے بلکہ مستحب اور سنت ہے۔ (اصلاحِ رسوم ص ۸)

گنجینہ کا مختصر واقعہ۔

ایک مرتبہ حضرت کانپور شریف لے گئے وہاں معلوم ہوا کہ مقام گنجینہ میں کچھ لوگ مرتد ہونے والے ہیں اس کو سنتے ہی حضرت نے وہاں

تشریف لے جاتے کا عزم فرمایا اور کھانے پینے کے سامان کے علاوہ
 خیمہ و ڈیرہ وغیرہ کا تمام سامان ساتھ کر لیا لوگوں کو اس کی اطلاع ہو
 گئی تو اچھا خاصا مجمع ساتھ ہو گیا وہاں پہنچ کر حضرت والا نے ان کے
 ممتاز لوگوں سے گفتگو کرنا مناسب فرمایا تحقیق سے معلوم ہوا کہ ان
 کے سردار دو شخص ہیں نمھو سنگھ اور ادھار سنگھ ان دونوں کو ٹکے بعد
 دیگرے بلایا گیا کہ دونوں کے خیال آزاد سی سے معلوم ہو سکیں گری کا زمانہ
 تھا اس واسطے ان کو شربت پلاتا چاہا مگر انہوں نے عذر کر دیا کہ ہم مسلمانوں کے
 ہاتھ کا نہیں کھایا پیا کرتے اور بھی یہودہ رسمیں معلوم ہوئیں سر پر چوٹی بھی تھی اور
 جہالت کی یہ حالت کہ ان سے پوچھا کہ تم ہندو ہو؟ کہا نہیں۔ دریافت کیا
 مسلمان ہو؟ جواب دیا نہیں۔ کہا گیا آخر کون ہو؟ بتلایا کہ نو مسلم ہیں۔
 گفتگو کرنے پر نمھو خاں نے تو خیال ظاہر کیا کہ آریہ مذہب میں نیوگ کا ایسا
 گندہ حکم ہے کہ کوئی بھلا مانس اس کو سننے کے بعد ہرگز اس مذہب میں داخل
 ہونا گوارہ نہیں کر سکتا اور ادھار خاں نے کہا کہ ہم تو تعزیر بناتے ہیں ہم ہندو
 کیوں بنے گئے۔

حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ تعزیر ضرور بتایا کر دے بعض مہر امیوں نے
 اس پر اشکال بھی کیا مگر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ان کے لئے بدعتِ دُعا یہ
 (یعنی کافر لہجہ) ہے کفر ہے۔ اس لیے ان کو اس سے منع کرنا مصلحت نہیں
 اس کے بعد عام مجمع میں بیانات بھی ہوئے۔ وہاں کے لوگوں کی سمجھ کے
 مناسب حضرت والا نے اعلان کے لئے یہ الفاظ تجویز فرمائے تھے کہ
 مسلمانوں کی کتھا ہو گی۔ اور بیان کے لئے ذکرِ میلاد شریف تجویز فرمایا تھا شیرینی
 بھی تقسیم کرائی تھی۔ مگر یہ سب کچھ مقامی رعایت کے سبب تجویز فرمایا تھا
 لیکن خود حضرت والا نے اس مجلس میں شرکت نہیں فرمائی بلکہ بعض ایسے
 صاحبان بھی سمراہ تھے جو ایسی محفل کیا کرتے تھے ان سے میلاد شریف پڑھوا

دی وہاں کئی دن قیام رہا اور جب انہوں نے خوب اچھی طرح وعدہ کر لیا کہ ہم مرتد نہ ہوں گے تب واپسی ہوئی۔ گو بیوقوفی سمجھتا تھا کہ ہم تمہارے جیسے مسلمان نہ ہوں گے بلکہ ایسے ہی نو مسلم رہیں گے۔
(اشرف السوانح ص ۲۳ ج ۳)

واقعہ گجنیر کی کچھ تفصیل۔

میں ایک دفعہ کانپور گیا تھا تو مجھے معلوم ہوا تھا کہ کانپور کے اطراف کے بعض دیہات میں نو مسلم راجپوت مرتد ہونے والے ہیں۔ آریہ ان کو بہکا رہے ہیں تو میں نے اپنے احباب میں سے کچھ علماء اور رؤساء کو ساتھ لیا اور گجنیر میں قیام کیا جو سب دیہاتوں میں بڑا گاؤں تھا پھر وہاں سے دودھ تین تین عالموں کو متفرق دیہات میں تبلیغ کے لئے بھیج دیا اور ان کے چودھریوں کو بلایا۔ حالت ان کی یہ تھی کہ ان کے نام ہندوؤں جیسے تھے چنانچہ ایک چودھری کا نام ننھو سنگھ تھا اور دوسرے چودھری کا نام ادھار سنگھ تھا میں نے کہا کہ بھائی ہم نے یہ سنا ہے کہ تم آریہ ہونے والے ہو اگر اسلام میں کوئی شبہ ہو، دور کر لو۔ ایک نے جواب دیا کہ ہم آریہ کیوں ہوتے ان کے یہاں تو نیوگ کا بڑا فحش رگندہ طریقہ ہے جسے کوئی شریف آدمی سرگز گوارہ نہیں کر سکتا۔ پھر ہم نے کہا کہ ہاں بھئی بس تم مسلمان ہو رہنا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم مسلمان بھی نہیں ہوتے ہم تو نو مسلم ہی اچھے رہیں گے۔ میں نے کہا اچھا تم نو مسلم ہی رہو۔

پھر باتوں باتوں میں ان سے پوچھا گیا اور بڑے چودھری سے کہا گیا کہ تجھے کلمہ بھی آتا ہے؟ کہنے لگا ہاں آتا ہے۔ کہا گیا سناؤ۔ کہنے لگا بس سنو مت گاؤں کے لوگ یوں کہیں گے کہ بڑھا سٹھیا گیا جو کلمہ پڑھتا ہے۔

ان کو کلمہ پڑھنے سے بھی رکاوٹ تھی وہ ایسے مسلمان تھے جس چند باتیں اسلام کی ان کے اندر موجود تھیں ایک تو غنہ کرتے تھے دوسرے مردوں کو دفن سے کرتے تھے تیسرے نکاح قاضی سے پرہیز کرتے تھے مگر ساتھ ہی مندروں کی طرح پھیرے بھی کرتے تھے اور ایک بات ان میں اسلام کی (ان کے خیال کے مطابق) یہ تھی کہ محرم میں تعزیر بناتے تھے اور اس کو اتنا بڑا شعار سمجھتے تھے کہ ادھار سنگھ نے یوں کہا تھا کہ ہم اگر یہ کیسے بنت ہمارے یہاں تو تاجیہ (تعزیر) بنت ہے۔ میں نے یہ سن کر کہا کہ دیکھو تعزیر میت چھوڑنا کہنے لگے اچی بھلا اسے ہم کب چھوڑنے لگے۔

بعض علماء کو میری اس بات پر خیال ہوا کہ اس نے مسلمانوں کو ایک بدعت کی اجازت دے دی۔ میں نے کہا بس چیکے بیٹھو رہو۔ یہ کانپور اور ٹکھنوں میں ہی شرک و بدعت ہے مگر یہاں فرض ہے کیونکہ اس جگہ تعزیر ہی ان لوگوں کے دین کا وقایہ (بچانے کا ذریعہ) ہے۔

ابھی تو ان لوگوں کا تعزیر بناتے رہنا ہی ان کے اسلام کا محافظ ہے پھر رفتہ رفتہ بے چے مسلمان ہو جائیں گے اس وقت سنت و بدعت کی تعلیم دے دینا۔

بارے ایک دوست نے عجیب بات کہی میں نے ان سے کہا کہ کالج علی گڑھ میں میلاد شریف ہوا کرتا ہے جو کہ بدعت ہے وہ دوست فرماتا لگے کہ یہ میلاد شریف اور جگہ تو بدعت ہے مگر کالج میں جائز بلکہ واجب ہے کیونکہ اس بہانے سے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف اور آپ کے فضائل اور معجزات سن لیتے ہیں تو اچھی بات ہے۔ اسی طرح حضورؐ کی عظمت و محبت ان کے دلوں میں قائم رہے۔ ورنہ وہ تو سال بھر ایسی خرافات میں مبتلا رہتے ہیں کہ بھول کر بھی خدا اور رسول کا نام ان کی زبان پر نہیں آتا۔ مجھے تو ان کی یہ بات پسند آئی کیونکہ واقعی اگر کسی جگہ

بدعت ہی لوگوں کے دین کی حفاظت کا ذریعہ ہو جائے تو وہاں اس بدعت کو غنیمت سمجھنا چاہیے جب تک کہ ان کی پوری اصلاح نہ ہو جائے۔

بدعت یا میلاد جیسے جلسوں میں جانا چاہیے یا نہیں؟

اگر کسی جگہ بدعت ہی لوگوں کی دین کی حفاظت کا ذریعہ ہو جائے تو وہاں بدعت کو غنیمت سمجھنا چاہیے جب تک کہ ان کی پوری اصلاح نہ ہو جائے۔ جیسے معرود ہیت کے ساتھ میلاد شریف اور جگہ تو بدعت ہے مگر کالج میں جائز بلکہ واجب ہے۔ کیونکہ اس بہانے سے وہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف اور آیت کے فضائل و معجزات تو سن لیتے ہیں تو اچھا ہے اسی طرح حضور کی عظمت و محبت ان کے دلوں میں قائم رہے۔ اصل میں تخصیص اعتقادی ناجائز ہے اور تخصیص علمی بوجہ تشبہ کے ناجائز ہے۔

(غیر الارشاد حقوق العباد ملحقہ حقوق ذوالنفس ص ۲۶)

مگر تخصیص اعتقادی کے برابر نہیں تو اگر کوئی شخص محض تخصیص علمی میں مبتلا ہو۔ اور اس کا اعتقاد درست ہو تو اس سے الجھنا نہیں چاہیے اور جو دونوں میں مبتلا ہو اس کے اعتقاد کی اصلاح کر دینی چاہیے اور مولود خاں پر فوراً بدگمان نہ ہونا چاہیے ممکن ہے کہ اعتقاد درست ہو اور رسول کی محبت کی وجہ سے تخصیص علمی میں مبتلا ہو جس میں کسی قدر وہ مغذور ہو (انفاس عیسیٰ ص ۳۵)

محفل میلاد کے متعلق حضرت گنگوہیؒ و حضرت تھانویؒ کا اختلاف۔

محفل میلاد کے متعلق پہلے میرا یہ خیال تھا کہ اس محفل کا اصل کام

ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو سب کے نزدیک خیر و سعادت اور مستحب بھی ہے البتہ اس میں جو منکرات اور غلط رسمیں شامل کر دی گئی ہیں ان کے ازالہ (ختم) کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اصل امر محفلِ مستحب کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ دراصل حضرت حاجی صاحب کا یہ مسلک تھا اور حضرت کی غایت شفقت و عنایت و محبت کے سبب میرا بھی ذوق یہی تھا۔ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اسی مسلکِ حنفی کے پابند تھے (جس کا ذکر ماقبل میں ہوا) یعنی یہ کہ جو مباح یا مستحب مقاصد شرعیہ میں سے ہو اس کے ساتھ تو یہ معاملہ کرنا چاہیے کہ اگر اس میں کچھ منکرات شامل ہو جائیں تو اس کی وجہ سے جماعت چھوڑ دینا جائز نہیں۔

لیکن جو مستحبات ایسے ہیں کہ اصل مقاصد شرعیہ ان پر موقوف نہیں اگر ان میں کچھ منکرات و بدعات شامل ہو جائیں تو ایسے مستحبات ہی کو ترک کر دینا چاہیے مثلاً زیارتِ قبور۔ ذکرِ رسول کے لئے کسی محفل و مجلس کا انعقاد کہ اس پر کوئی مقصد شرعی موقوف نہیں۔ وہ بغیر اس مجلس اور خاص صورت کے بھی پورے ہو سکتے ہیں۔ اگر ان میں منکرات و بدعات شامل ہو جائیں تو یہاں ایسی مجلس اور ایسے اجتماعات ہی کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ اس کے دلائل و شواہد کو علامہ شاطبیؒ نے کتاب "الاعتصام" میں جمع فرما دیا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ رحمۃ اللہ علیہ اسی مسلک کے پابند تھے اس لئے مروجہ محفل میلاد جو بہت سے منکرات و بدعات پر مشتمل ہو گئی ہے اس کی شرکت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

کچھ زمانہ تک اس مسئلہ میں حضرت گنگوہیؒ سے میرا اختلاف رہا ہے بالآخر دلائل کی قوت اور دین کی حفاظت کے پیش نظر ہی مسلکِ احوط و اسلام نظر آیا۔ اسی کو اختیار کیا لیکن جو مسلک صوفیاء گرام کے اختیار فرمایا

ہے۔ میں اس کو بھی بے اصل نہیں جانتا۔ فقہار مجتہدین میں سے حضرات شافعیہ کا بھی یہی مسلک ہے اور علامہ شامیؒ نے مصافحہ بعد الصلوٰۃ کے مسئلہ میں شیخ محی الدین نووی شافعیؒ کا یہی مسلک نقل کیا ہے اس لیے جو صوفیہ کو امام مغل میں میلاد خالی از منکرات پر عامل ہیں ان پر بھی اعتراض اور بدگمانی نہیں کرنا چاہیے۔ (مجلس حکیم الامت ص ۱۶۱ و ۱۶۲)

حضرتؒ کا نظریہ و مختار مسلک۔

اگر کسی جگہ ایسی میلاد میں پھنس جائیں جہاں قیام ہوتا ہو تو یہ اس مجلس میں مجمع کی مخالفت نہ کریں بلکہ قیام کر لیا کریں کیونکہ ایسے مجمع میں ایک دوسرے کا قیام نہ کرنا فساد کا ذریعہ ہے۔ ہاں جہاں ہر طرح اپنا اختیار ہو وہاں تمام قیود کو حذف کر دیا جائے ایسے موقع میں خاموش رہنا گناہ ہے۔ (الافاس عیسیٰ ص ۳۶)

لیکن یہ صورت اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ مجلس میں موجود ہو اور قیام نہ کرے یا تو آدمی جائے نہیں اور اگر جائے اور قیام نہ کرے یہ صورت اچھی نہیں۔ ایسے موقع پر قیام کرے۔ (حسن العزیز ص ۱۳۵)

کانپور کے قیام کے زمانے میں۔ (میرے اندر) جب نرمی آئی تو قیام کرنے لگا لیکن کبھی کرتا اور کبھی نہیں کرتا۔ مجھ کو اس سے عوام کی اصلاح کی توقع تھی۔ مگر (تجربہ) سے معلوم ہوا کہ لوگ یہ طبع کرنے لگے کہ یہی بالکل ہمارے موافق ہو جائے۔ (لنڈا) اخیر میں میں نے بالکل ترک کر دیا۔ اور دوبارہ پھر مجھ سے مخالفت ہوئی۔

ماہِ محرم کے جلسے اور اس میں قصہ شہادت کا بیان

سوال :- ہمارے یہاں کے کے پہلے عشرہ میں وعظ کی مجلس ہوتی ہے ۔ اکثر پانچ چھ تاریخ سے وعظ شروع ہوتا ہے ۔ واعظین اہل توفرائی آیات اور احادیث نبویہ اور ان کے ضمن میں دیگر واقعات اور حالات بھی بیان کرتے ہیں ۔ اور ہر طرح سے شرعی منکرات اور برے افعال سے لوگوں کو آگاہ کر کے اس سے بچنے کی سخت تاکید کرتے ہیں بعدہ عناصر شہادت میں ابتداء سے پڑھنا شروع کرتے ہیں اور ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امراض و وفات کے حالات و واقعات بیان کرتے ہیں ۔ اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا ہوتا ہے اس کے خلفائے اربعہ جیسے ابو بکر ، عمر ، عثمان ، علی رضی اللہ عنہم کا ذکر ہوتا ہے پھر امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے خاندان کی شہادت کا ذکر ہوتا ہے پھر امام حسینؑ کی شہادت کا بیان غرضیکہ اسے تھوڑا تھوڑا پڑھ کر پانچ سے دس تاریخ تک پڑھ کر اسے حاضرین مجلس کو سناتے ہیں ۔

اور یہاں مسلمان اور ہندوؤں میں تعزیر داری بکثرت ہے نیز کھیل تماشے ، ناچ وغیرہ طرح طرح کی رنگ رنگیلیاں ہوتی ہیں اور طرح طرح کے بدعات ہوتے ہیں اکثر مسلمان تعزیر دیکھنے کے لئے ان منہجرات و خرافات کے مرتکب ہوتے ہیں غرض پہلے عشرہ محرم میں نہایت بری حالت ہوتی ہے ۔

اس لئے باقی مجلس کی یہ غرض ہوتی ہے کہ وعظ کی مجلس قرار پائے تاکہ سامعین آئیں اور وعظ و نصیحت سنیں اس مجلس وعظ میں تعزیر دیکھنا پنجم اور علم کا اٹھانا اور اس پر کھچڑا وغیرہ لے جانا اور اس کے علاوہ محرم کے جس قدر بدعات ہیں ان سب سے وہ منع کرتے ہیں اور یہ مجلس کئی جگہ ہوتی ہے ان کا یہ خیال ہے کہ مجلس وعظ قائم کی جائے تاکہ اکثر مسلمان ان خرافات

اور دایمات سے بچیں اور وہاں نہ جائیں اور بفضلِ خدا اس کی وجہ سے بہت لوگ وہاں جاتے بھی نہیں لہذا پوچھنا یہ ہے کہ جب اس مجلس کے تقرر سے بانی مجلس کی منشاء اور غرض یہی ہے کہ جب تک مجلس ختم نہ ہو تب تک لوگ گناہوں سے بچتے رہیں۔ لہذا ایسی مجلس کا قرار دینا درست ہے یا نہیں؟ اگر یہ درخواست ہو گئی تو پھر دو تین گھنٹہ تک جو لوگ گناہ سے بچ رہے ہیں نہ بچیں گے۔ یہ بہتر ہے یا مجلس قرار دینا بہتر ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب شہادتِ امام حسینؑ وغیرہ کا بیان کرنا درست نہیں اور تعزیر وغیرہ بھی دیکھنا درست نہیں تو دونوں یکساں ٹھہرے۔ لہذا زید کہتا ہے کہ شہادت کا بیان کرنا حرام ہے اور دلیل میں تشبہ بالروافض کو پیش کرتا ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کا فوت ہونے کا غم اب تک کیوں؟ جس دن شہید ہوئے اس کے تین دن بعد سے اب غم نہیں کرنا چاہیے جیسے کہ سوگ کرنا کسی کے مرنے کے تین دن سے زیادہ حرام ہے اسی طرح امام حسینؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی تین دن سے زیادہ حرام ہے کیونکہ اب تو تیرہ سو برس گزر گئے۔ اب کہاں سوگ و غم۔ تو کیا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے؟

اور یہ بھی کہ کیا امام حسینؑ ہی کی شہادت بیان کرنا ناجائز ہے یا اور بھی کسی کی۔ یا یہ خصوصیتِ عشرہ محرم کی وجہ سے نا درست ہو گیا یا کیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو بے موقع اور بے محل کسی چیز کا بیان کرنا بھی اچھا معلوم نہیں ہوتا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا حال ربیع الاول میں نہ پڑھا گیا کسی دوسرے ماہ میں ہوا تو یہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔

اور اگر کسی خاص ایام کی وجہ سے اس کا بیان کرنا درست نہیں تو پھر پنجوقتہ نماز معینہ اور خاص پہلی تاریخ کے عید کے دن۔ اور دس تاریخ

کو بقرعید و محرم۔ اور شادی بیاہ جس کے لئے وقت مقرر ہے اور ہوتا ہے سب کے سب نادرست ہوں گے ان کا بھی دوسرے وقت میں کرنا واجب ہے۔ غرضیکہ کسی اعتراض پیدا ہوتے ہیں گذارش ہے کہ سب کا جواب جداگانہ تحریر فرمائیں۔

الجواب :- تشبیہ بالردائف جسے بکار دلوہ (روئے اور ماتم کرنے) میں ہے۔ ایسے ہی تخصیص عاشورہ میں بھی ہے۔ بلکہ ایسی تخصیص خود بھی بدعت ہے۔ اگرچہ اس میں تشبہ بھی نہ ہو اور اس تخصیص کا قیاس نماز کے اوقات وغیرہ کی تخصیص پر یا بیاہ شادی کی تاریخ کی تعیین پر قیاس مع الفارق ہے۔ اول مقیس علیہ میں تو تخصیص خود شارع سے منصوص ہے تو اس کے ساتھ تخصیص من غیر الشارع (شارع کے علاوہ کی تخصیص) کیسے ملتی ہو سکتی ہے اور دوسرے مقیس علیہ میں تخصیص کو (یعنی شادی کی تعیین کو) کوئی شخص دین نہیں سمجھتا اور اس کو دین سمجھتے ہیں۔ اور مباح کو جزء دین سمجھنا خود بدعت ہے اور تخصیص کی توجیہ میں یہ کہنا کہ بے محل بیان کرنا بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا عجیب بات ہے۔ اور فی الواقع شارع علیہ السلام پر اعتراض ہے کہ مطلق کو مقید کیوں نہیں کیا کیونکہ اس مقید نہ کرنے سے یہی بے محل واقع ہونا لازم آئے گا۔ جس کو مدعی بے محل بتلا رہے ہیں۔ رہی یہ مصلحت کہ اس مجلس کی وجہ سے عوام جہلا منہیات (ومنکرات) سے رکھتے ہیں۔ اس کا حال تو یہ ہوا کہ ایک مصیبت کو اس لیے اختیار کیا جائے تاکہ دوسرے معاصی سے حفاظت رہے تو اس مصلحت سے بدعت کا ارتکاب کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ مصلحت اس سے بھی تو حاصل ہو سکتی ہے کہ دوسرے مضامین حکمیہ کا وعظ ہوا کہ ہے۔ (جس میں منکرات و مفاسد کی اصلاح کا بیان ہو۔ اور یہ قصے اصلاً مذکور نہ ہوں اور اگر یہ شبہ ہو کہ اس میں کوئی نہ آئے گا یا کم آئیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فعل آنے والوں کا ہے۔ واعظ یا

بانی مجلس کو اس کی کیا فکر یہ اپنی طرف سے مفاسد کے انسداد کی کوشش کرے
آگے خواہ اثر مرتب ہو یا نہ ہو۔

تیسرے اگر حوام کے مذاق کی ایسی ہی رعایت کی جائے تو ان کی جتنی تبلیغ
رہیں ہیں ہر ایک کے مقابل وہی رسم اصلاح کر کے منعقد کرنا جائز ہوگا۔ تو تعزیر و عظم کی بھی کسی قدر اصلاح کر کے اجازت
ہونا چاہیے۔ اور اصلاح یہ ہو سکتی ہے کہ تعزیر کی پرستش اور اس پر چڑھاوا
اور معاذف (بابے) وغیرہ نہ ہوں۔ صرف مکان کی تصویر ہو۔ اس کے ساتھ
مباح اشعار ہوں۔ اور مباح دف ہو۔ علیٰ ہذا (اسی طرح) تمام رسوم میں ایسا
ہی کر سکتا ہے۔

اور بعض کتب میں ایسے شخص کو اجازت دینا جو کہ اور بھی بیان کرے یہ صرف
رفع ہے۔ ایک مانع جواز کا۔ اور وہ مانع مضمون کی تخصیص ہے تو اس سے یہ
لازم نہیں آتا کہ اگر دوسرے موانع بھی ہوں تب بھی جواز کا حکم ہوگا۔ سو
ایک مانع خود تخصیص زمانہ کی بھی ہے۔ کما ذکر غرض میرے نزدیک اصول فقہ
کا مقتضی اس مجلس کا فوراً موقوف کر دینا ہے۔ واللہ اعلم۔
(امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۵۔ سوال نمبر ۲۸۶)

شیعوں کے مقابلہ میں مدح صحابہ کے جلے کرنا۔

مروافض کی تبراگوئی کے مقابلہ میں بھٹو کے بعض علماء نے مدح صحابہ کی
مجلسیں جاری کی تھیں جس کے نتیجہ میں مروافض کی تبراگوئی اور تیز ہو گئی۔ اس کے
متعلق بعض حضرات نے حضرت سے سوال کیا تو حضرت نے ان کو جواب لکھا
جس کا خلاصہ بطور یادداشت کے ایک پرچہ پر لکھا ہوا تھا جس کی نقل یہ ہے۔
الجواب :- روی البخاری بسندہ عن ابن عباس فی قولہ

تعالیٰ ولا تجهر بصلوتک ولا تخافت بها قال نزلت ورسول الله
 صلی الله علیه وسلم محتف بمکة کان اذا صلی باصحابه رفع
 صوته بالقرآن فاذا سمع المشرکون سبوا القرآن ومن انزلہ و
 من جاء به فقال الله تعالیٰ لنبیہ صلی الله علیه وسلم
 ولا تجهر بصلواتک ای بقراءتک فیسمع المشرکون فیسبوا
 القرآن ولا تخافت بها من اصحابک فلا تسمعهم وابتغ
 بین ذلك سبیلا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود قرآن کا جہر اور وہ بھی جماعت کی نماز
 میں کہ امام پر واجب ہے اگر سبب بن جائے قرآن کے سبب و شتم و بد
 بھلا کہنے کا تو ایسے وقت میں اتنے جہر کی ممانعت ہے کہ سبب و شتم کرنے
 والوں کے کان میں آواز نہ پہنچ جائے تو مدح صحابہ کا اعلان و جہر جو کہ فی نفس
 واجب بھی نہیں اگر سبب بن جائے صحابہ کے سبب و شتم کا تو ایسے وقت
 اس کا اتنا جہر کہ سبب و شتم کرنے والوں کے کان میں آواز نہ پہنچے کیسے ممتنع
 نہ ہوگا۔ ولویده ویزیل بعض الاشکالات الواردة علیہ
 ما فی روح المعانی تحت قوله تعالیٰ ولا تسبوا الذین یدعون
 من دون الله الایة سے روح المعانی ص ۲۱۹ مجلس حکیم الامت ص ۳۱۲ مطبوعہ دہلی

ایک صاحب علم کی بابت فرمایا کہ وہ جونپور میں سہ ماہ میں اور بالخصوص
 محرم میں دسویں کیا کرتے تھے اور اس کی حکمت یہ بتلاتے تھے کہ میں
 اس لیے کرتا ہوں تاکہ لوگ شیعوں کی مجلس میں نہ جائیں۔

ایک غیر مقلد مولوی صاحب نے جواب دیا کہ اگر ایسا ہی ہے تو ہندوؤں
 کی ہولی اور دیوالی بھی اس وقت سے کرنی چاہیے تاکہ لوگ ان کے مجبوں

سن العزیز ص ۲۲۹ ج ۲

میں نہ جائیں۔

۳ محرم الحرام ۱۲۸۰
 ۲۳-۸-۵۱

رجبی جلسوں کا شرعی حکم۔

سوال :- چند سال سے ہندوستان کے کئی مقامات میں رجبی جلسے شروع ہونے لگے ہیں یعنی ۲۷ و ۲۸ شب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا حال پڑھا جاتا ہے اور بڑا مجمع ہوتا ہے اور کثرت سے روشنی اکا سامان فراہم ہوتا ہے اور بعض جگہ اسی مجلس میں معراج شریف کے بیان کے بعد قوالی بھی ہوتی ہے۔ براہ مہربانی شریعت کی رو سے مطلع فرمائیں کہ اس کا کرنے والا اور شریک ہونے والا اور مدد کرنے والا ثواب کا مستحق ہوگا یا عذاب کا۔
الجواب :- رجبی جلسہ ہسبیت متعارفہ زمانہ تھا (یعنی معروف ہسبیت کے ساتھ اس زمانہ) میر جو منکرات جمع ہیں وہ ظاہر ہیں۔

الترام مالا یلزم جس کی کراہیت فقہاء کے کلام میں مخصوص ہے اور بہت سے فروع فقیہہ کو اس پر متضرع کیا ہے۔

کثرت روشنی میں اسراف کا ہونا جس کی ممانعت قرآن پاک میں منصوص ہے۔ اس میں تداعی (یعنی ایک دوسرے کو بلانے کا) اہتمام جو قطعاً کے لئے مکروہ ہے جس کی بناء پر فقہاء نے نفل جماعت کو مکروہ کہا ہے۔
اگر بھی جس قدر منکرات کو محققین نے میلاد کی معروف مجلسوں سے ذکر کیا ہے۔ اکثر بلکہ کچھ زیادتی کے ساتھ اس میں جمع ہیں۔ بالخصوص اگر اس کے ساتھ قوالی بھی ہو تو منکرات اور بڑھ جائیں گے۔

مذکورہ جوابات کی بناء پر مذکورہ جلسے کے داعی اور سامع (کشتہ) کے لئے (والے) اور بانی و معین (مدد کرنے والے) اور شریک سب کے سب قابل ملامت و تشنیع ہوں گے۔ طالب حق کے لئے یہ مختصر تحریر کافی ہے اور مخاصم (جھگڑا کرنے والے کے لئے) دفتر کے دفتر ناما کافی ہیں۔

دینی مدارس میں دستار بندی اور سالانہ جلسے۔

سُنَّیْهِ مَحَقِّ تَعَالٰی فَرَمَاتے ہیں وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ .

اس آیت میں اعمال خیر کی طرف رغبت دلانے اور دعوت دینے کا امر ہے۔ اور قرآن کے تعلیم و تعلم کا خیر الاعمال ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ تو اس کی ترغیب دینا بھی ضروری اٹھارہ اور ترغیب کی دو صورتیں ہیں ایک تو ان کی اعانت کرنا۔ ان کی خدمت کرنا۔ ان کی عزت و عظمت کرنا۔ اور ایک طریقہ وہ ہے جو بزرگوں نے اختیار کیا ہے کہ جو شخص قرآن سے فارغ ہو اس کو دستار بندی کی جائے اس سے بھی فارغ ہونے والوں کو مسرت ہونے کی وجہ سے قرآن کی تعلیم کی طرف اور ان کے سرپرستوں کو تعلیم قرآن کی طرف بہت رغبت ہوتی ہے۔ اور تعلیم کا سبب بن جانا یہ بھی ایک تعلیم کا مصداق ہے۔ پس یہ عمل خلاف سنت نہیں کیونکہ اعمال خیر کی رغبت دلانے کا نص میں حکم وارد ہے اور یہ بھی اسباب رغبت میں سے ہے بس صراحتہً تو نہیں مگر ولاتاً یہ بھی نص سے ثابت ہوا۔ (التبلیغ ص ۲۴۵)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (العلم والعلما ص ۲۳۲)

مدارس کے متعارفہ جلسوں کے بعض شرعی منکرات

وَمُفَاسِدٌ۔

موانع شرعیہ کا حاصل یہ ہے کہ جہاں تک غور کر کے اور تجربہ کی شہادت سے دیکھا جاتا ہے تو ان جلسوں کے منعقد کرنے کی بڑی غرض دو معلوم ہوتی

ہیں۔ فراہمی چندہ اور اپنی کارگزاری کی شہرت یا۔ یوں کہیے کہ مدرسہ کی وقعت و رفعت جس کا حاصل ثبوت جاہ اور حب مال نکلتا ہے جس سے نصوص کثیرہ میں نہی فرمائی گئی ہے۔ اگرچہ مال و جاہ اگر دین کے لئے مقصود ہوں تو مذموم نہیں مگر کلام اس میں ہے کہ ایسے موقع پر یہ امور دین کے لئے مقصود ہیں یا دنیا کیلئے۔ سو گو نفس تاویل کر کے دین ہی کے لئے بتلاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر قصد کے لئے ایک معیار بنایا ہے جس سے صحت یا فساد قصد معلوم ہو جاتا ہے۔ سوال مواقع میں جہاں تک غور کیا جاتا ہے طلب دنیا کی علامت غالب معلوم ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر دین مقصود ہوتا تو اس کے اسباب و طریق میں کوئی امر خلاف رضا حق تعالیٰ اختیار نہ کیا جاتا۔ اور جب ایسے امور اختیار کئے جاتے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا مقصود ہے ان امور میں بطور نمونہ کے بعض درج ہیں۔

- ۱۔ اپنے مدرسہ کو اصلی حالت سے اکثر زیادہ ظاہر کیا جاتا ہے تصریحاً یا ایہاماً جس کا حاصل کذب و خداع (یعنی جھوٹ اور دھوکہ) دینا ہے۔
- ۲۔ طلباء کی زیادتی کو دکھانے کے واسطے نا اہلوں کو اہل دکھلایا جاتا ہے
- ۳۔ حکم شرعی ہے کہ ریا حرام ہے اور ایسے موقعوں پر دینے والوں کے دلوں میں ریا ہوتی ہے اور ریا کا سبب بن جانا بھی معصیت ہے۔
- ۴۔ اگر کوئی شخص مدرسہ پر کسی قسم کا اعتراض کرے اور وہ صحیح بھی ہو تو بھی ہرگز اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس کے درپے ہو کر رد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے گو دل میں اس کو حق سمجھتے ہیں جس کا حاصل بطرحی ہے (یعنی حق سے ہجرت کرنا)۔

۵۔ اکثر ایسے جلسوں میں اسراف ہوتا ہے جن لوگوں کو بلانے کی ضرورت نہیں ان کے اور ان کے رفقاء و خدام کے کرایہ میں مہبت سے روپے جاتے ہیں۔ بعض اوقات طعام وغیرہ کا بھی اہتمام مدرسہ سے ہوتا ہے جن میں لکھنات

ہوتے ہیں اور ساتھ میں غیر مجاہد بھی کھاتے ہیں اور غالباً بلکہ یقیناً روپے (چندہ) دینے والوں سے اجازت نہیں لی جاتی (پھر یہ کیسے جائز ہوگا)۔

۴۔ بعض جگہ مسجد میں ایسے جلے ہوتے ہیں جس میں شور و شغب / دنیا کی باتیں / اشعار مذمومہ اور بہت سے منکرات ہوتے ہیں جو مشاہدہ سے متعلق ہیں۔

۵۔ چندہ حاصل کرنے میں قواعد شرعیہ کی رعایت نہیں کی جاتی۔

(امداد الفتاویٰ ص ۳۵ ج ۳)

مجلس وعظ میں اگر منکرات و مفسد شامل ہوں تو اس کی وجہ سے مجلس وعظ کو ترک نہ کیا جائے گا بلکہ مفسد کی اصلاح کی جائے گی۔

قاعدہ شرعیہ ہے کہ جس عمل میں مفسد غالب ہوں اگر وہ عمل غیر مطلوب ہو تو نفس عمل سے منع کر دیا جاتا ہے اور اگر مطلوب ہو تو عمل سے منع نہیں کیا جاتا بلکہ ان مفسد کا انسداد کر دیا جاتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۳۵ ج ۴)

وہ (عمل) اگر خود شرعاً ضروری ہے تو اس فعل کو ترک نہ کریں گے بلکہ اس میں جو مفسد پیدا ہو گئے ہیں ان کی اصلاح کر دی جائے گی مثلاً جنازہ کے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی عورت ہو تو اس کو اس مکروہ کے اقرار (شامل ہو جانے کی وجہ سے جنازہ کے ہمراہ جانا ترک نہ کریں گے خود اس نوحہ کو منع کریں گے کیونکہ وہ ضروری امر ہے اس عارضی کراہیت کی وجہ سے اس کو ترک نہ کیا جائے گا۔ علامہ شامیؒ نے (تصريح فرمائی ہے)۔ (اصلاح الرسوخ ص ۱۱)

فتاویٰ فقہیہ ہے کہ خواص کا جو فعل غیر ضروری عوام کے مفسدہ کا سبب

بن جائے اس کو منع کیا جائے گا بخلاف مجلس وعظ کے وہ فی نفسہ ضروری ہے
کہ وہاں معاند کا انسداد کریں گے خود اس کو ترک نہ کریں گے۔ فافترقا۔
(امداد الفتاویٰ ص ۵۴ ج ۵)

فصل ۱۰ جلسہ حلوس میں سجاوٹ اور زیبائش و نمائش

اگر واقعی کوئی کام کرنا ہے تو کسی چیز میں شان و شوکت کا خیال مت
کرو۔ اس وقت عام طور پر مجالس اسلامیہ کو آرائش و زیبائش سے بالکل تھیٹر
بنادیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ غیر قوموں کے مقابلہ میں ہم کو ان سے
پہچھے نہیں رہنا چاہیئے۔

اے حضرات! غیر قومیں کہ جن کے سامنے آپ یہ ظاہر کر رہے ہیں
آپ ان کا مقابلہ اس میں نہیں کر سکتے۔ ان کے برابر دولت آپ کے
پاس کہاں ہے اگر وہ بھی ضد باندہ لیں تو یقیناً آپ ان کے مقابلہ میں
شرمندہ ہوں گے۔ اس لیے آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ
رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی کیجئے اور کفار کا یہ نفسانی مقابلہ چھوڑ دیجئے۔

سلف کا طرز یہ تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بیت المقدس
کے نصاریٰ کے سامنے پیش کرنے کے لئے لے گئے آپ پھٹے ہوئے
کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ عرض کیا گیا کہ لباس بدل لیجئے تاکہ کفار کی نظر
میں عزت ہو۔ فرمایا: "نحن قوم اعزنا الله بالاسلام" ہم وہ قوم ہیں کہ خدا
نے ہمیں اسلام سے عزت دی۔ لباس سے نہیں دی۔

جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو پھر سب نے اصرار کیا کہ جوڑا
اور سواری بدل لیجئے۔ آپ نے مسلمانوں کا دل توڑنا گوارہ نہ کیا اور منظور
فرمایا ایک مانگے کا ٹھوڑا اور مانگے کا جوڑا لایا گیا۔ یہ امیر المومنین ہیں،

جن کے پاس ایک اچھا گھوڑا بھی نہ نکلا۔ اللہ اکبر! کیا سادگی تھی۔ خیر گھوڑے پر سوار ہو کر دو قدم چلے ہوں گے کہ گھوڑا فخر اور ناز سے چل چل کر چلنے لگا آپ اسے روک کر فوراً اتر پڑے اور فرمایا تمہارا بھائی عمر لاک ہو گیا ہوتا کیونکہ گھوڑے پر بیٹھ کر وہ دل ہی نہیں رہا چنانچہ پھر اپنی پہلی ہی سادہ حالت میں پیش کئے گئے۔ نصاریٰ نے جب آپ کو دیکھا تو فوراً دروازہ کھول دیا۔ اللہ اکبر! یہ تھی خلوص اور سادگی کی برکت مسلمانوں کے کو اس حالت سے چھینپ نہ ہوئی چاہیے۔ صحابہ کے طرز کو دیکھئے مدینہ کی سادی مسجد میں ٹوٹے ہوئے بوریوں پر بیٹھے ہیں اور حوصلہ اس قدر بلند ہے کہ سلطنت روم و فارس کی قسمت کے فیصلے کا مشورہ کر رہے ہیں۔ حضرات یہ نمونہ تھا کام کرنے والوں کا یہ فیشن یہ وضع اور یہ شان و شوکت ان حضرات میں کہاں تھی۔

یہود اپنی زینتیں دکھلایں نصاریٰ اپنی زینتیں دکھلایں یہود اپنی زینتیں دکھلایں اور ایک مسلمان پھٹا ہوا کرتہ پہن کر نکلتے گا تو خدا کی قسم سب کی رونقوں کو مات کر دے گا۔

ارے صاحب خدا نے آپ کو وہ حسن دیا ہے کہ آپ کو زینت کی حاجت ہی نہیں۔

ارے صاحب اسلامی جلسوں کے لئے یہ حسن اور شرف کیا کم ہے کہ وہ اسلام کی طرف حقیقی نسبت سے منسوب ہے اسلامی مجلس تو ایسی ہو کہ دور سے دیکھ کر خبر ہو جائے کہ یہ مجلس اسلامی ہے یہ کسی باج رنگ کی محفل یا تھیٹر کا اسٹیج نہیں ہے۔ باہر سے اسلامی مجلس بالکل سادہ ہو اندر پہنچو تو صحابہ کا رنگ جھلکتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ بازاری عورتوں کی طرح گلے میں پھولوں کے ہار پڑے ہوں۔ لباس نہایت سادہ اور ایک ایک چیز اور ہر ہر ادا سے رؤساء کا ساجتر نمایاں ہو۔ اور حقیقت کا پتہ نہیں اور شاہدہ

شاید ہے کہ زیب و زینت وہ شخص کرتا ہے جس کے پاس مال ہے
کمال نہیں ورنہ یہ بجائے مل کے اپنے کمال کا اظہار کرتا اور اب کمال نہ
ہونے سے مال کا اظہار کرتا رہا ہے۔

حضرت! میں یقین کہتا ہوں کہ قلب میں اگر حقیقت ہے تو ظاہر سے
آرائش سے نفرت ہوگی۔ اور حقیقت سے کورے ہیں تو ظاہری شان و
شوکت سے اس کی لیب و پوت کریں گے۔ مجالس اسلامیہ میں کیا بناؤ؟
اسلام کی طرح مجالس اسلامیہ میں بھی سادگی ہونی چاہیے۔
(اصلاح الیتمائی ص ۳۹۲)

مروجہ جلسوں و انجمنوں کی بد حالی !

انجمنوں میں عموماً یہی افراط ہے کہ علماء پر مضامین کی فرمائش ہوتی
ہے جس سے زیادہ مقصود اپنی انجمن کی شان کا ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ اس میں
ایسے ایسے مضامین پر بحث ہوتی اور اسی اظہار شان کے لئے لیا جاتا ہے کہ
اگر ضرورت ہوتی ہے تو نہ کی تو بولتے ہیں دس بیس کو اس سے محض شان و شوکت
مقصود ہوتی ہے تبلیغ مقصود نہیں۔

خوب سمجھ لیجئے کہ دین میں بڑی چیز خلوص ہے نہ کہ افتخار و اظہار۔ یہی وجہ
ہے ہمارے اکثر کارناموں میں برکت نہیں۔

عنصر انجمنوں میں بہت سے واعظین کا جمع کرنا یہ سب افتخار و عنود
اظہار (ریاکاری و شہرت) کے لئے ہوتا ہے۔

اس میں ایک عنصر اور بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ کوئی کسی واعظ
کو پسند کرتا ہے۔ کوئی کسی کو۔ سب کو جمع کر لوتا کہ ہر مذاق کے لوگ جمع
ہوں۔ اور جلسہ میں خوب رونق ہو۔ میں کہتا ہوں کہ آپ صحیح غرض

کے لئے جلسہ کر رہے ہیں تو آپ کو لوگوں کے اس مذاق کی رعایت کی
کیا ضرورت ہے۔ کوئی روپے تقسیم کر رہا ہے تو سائل خود بخود جمع ہوں
گئے اس اشتہار کی کیا ضرورت کہ جو روپیہ لینے آئے گا اسے مٹھائے
بھی لے گی معلوم ہوتا ہے کہ روپے جعلی ہیں اگر سودا کھرا ہے تو بغیر قافیہ
اور سجع ملائے بک جائے گا ورنہ مقفی اور سجع عبارت بولنا پڑے
گی۔ حضرت اپنا متاع خالص رکھیئے۔ دیکھیے خود بخود خریدار آئیں گے۔
(اصلاح الیتمائی ص ۳۳)

وعظ و تقریر میں تصنع و تکلف اور دورانیے وعظ اشعار پر مٹھنا۔

آج کل بناوٹ کی اتنی شدت ہے کہ وعظ تک میں بناوٹ ہوتی ہے۔
مضمون نہیں آتا تو سب زبردستی بنا لیتے ہیں مقصود تو بے شعر مٹھنا اس
کے لئے مضمون کو ادھر ادھر سے پھیر گھما کر تیس چھٹ سے شعر بچھڑا دیا۔ بجلا
زبردستی شعر کے لئے اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سب چھپورا پن
ہے کہ ایک ادھا شعر یاد ہے تو اسے ظاہر کیے کریں خواہ بے موقع ہی
پڑھ دیں۔

کیا اسلام کا یہی طریقہ ہے؟ کیا تبلیغ اسی بناوٹ کے طرز سے
ہوتی ہے؟ موقع پر کوئی شعر یاد آگیا پڑھ دیا نہیں یاد آیا جانے دو۔
یاد آگیا تو ایک وعظ میں دو سو شعر ہیں نہیں یاد آیا تو ایک بھی نہیں ہے۔
حق ایسی چیز نہیں کہ اس کی طرف کشش نہ ہو۔ اہل حق اور ملحق
ساندوں سے بھی فرق ہوتا ہے کہ ملحق ساندوں کی آمد بڑی رنگین

ہوتی ہے اور اس میں بڑا زور شور ہوتا ہے مگر حاصل سولے قافیہ بندی کے کچھ نہیں ہوتا اور اہل حق کے کلام میں ابتداء تو نہایت دھیمی ہوتی ہے مگر انتہا میں اس کے زور اور قوت کا خاص اثر ہوتا ہے۔ ابتداء ان کی ہلکی بارش کی طرح آہستہ آہستہ ہوتی ہے جو کہ قلب میں بارش کی طرح جذب ہو جاتی ہے اور اس کا انتہائی گلزار ہوتا ہے۔

اور مبلغ ساز اپنا رنگ جانے کے لئے ابتداء میں خوب شعر پڑھتے ہیں اور لو کہیں کہیں ڈھولک اور ہارمونیم سے مجلس دغظ کو گرم کیا جاتا ہے مضامین کے الفاظ بھی دگدگاتے ہوتے ہیں کہ اس وقت تو ذرا جوش پیدا ہو جاتا ہے پھر جہاں مجلس پر خاست ہوتی اثر بھی تشریف لے گیا۔ اور جو

ذرا سا باقی رہ گیا وہ دو چار روز کا مہمان ہوتا ہے۔ اور اہل حق کے کلام کا اثر پایدار ہوتا ہے مگر ان کا کلام رنگین نہیں ہوتا۔

(اصلاح الیتمی صفحہ ۲۶۷ ص ۳۶۷)

عورتوں کے مجمع میں گاکرا شعار پڑھنے سے احتیاط

اکثر واعظین عورتوں کے مجمع میں خوش الحانی سے اشعار پڑھتے ہیں یہ بالکل مصلحت دین کے خلاف ہے۔ (لہذا اوقات فتنہ کا اندیشہ ہوتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ سفر میں ایک غلام کو عورتوں کے سامنے اشعار پڑھنے سے روک دیا اور فرمایا تھا کہ رویدک یا انجشہ لا تکر القواریر (ارے انجشہ چھوڑ دو۔ یعنی خاموش رہو۔ شیشے نہ توڑو۔ یعنی عورتوں کے دلوں کو بے قابو نہ کرو۔ ورنہ وہ لوٹ جائیں گے۔)

تو اس زمانہ میں جب کہ سب پر تقویٰ غالب تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت نہیں دی تو آج کس کو اجازت ہو سکتی ہے۔ بالخصوص

جب کہ عورتیں یا لڑکے ہی پڑھنے والے ہوں۔ (دعواتِ عیدیت ص ۱۲۶)

امردوں سے نعت پڑھوانا درست نہیں۔

احضیٰ عورت یا بڑی لڑکی یا امرد شہتی (خوبصورت لڑکا جس کی طرف اس کی خوبصورتی کی وجہ سے کشش و میلان ہو) ان سے گانا سننا یہ بھی ایک قسم کی بدکاری ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی لڑکے کی آواز سننے میں نفس کی شرکت ہو تو اس سے قرآن سننا بھی جائز نہیں۔

اکثر لوگ لڑکوں کو نعت وغزلیں یاد کرا دیتے ہیں (اور احتیاط نہیں کرتے) یہ بھی جائز نہیں۔ فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر بے ریش (بے دھڑھی) لڑکا مرغوب طبع ہو تو اس کی امامت بھی مکروہ ہے۔ تو جب امام بنا کر کھڑا کرنا جائز نہیں حالانکہ اللہ کا قرآن ہی پڑھے گا مگر فقہاء نے بلا ضرورت اس کی اجازت نہیں دی۔ (اسی پر نعت خوانی کو قیاس کر لیجئے) (دعواتِ عیدیت ص ۱۲۶ ج ۹)

مسجد میں نعت و شعر خوانی جائز ہے یا نہیں۔

سوال: مسجد میں نعت پڑھوانے کی فرمائش کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نعت پورہ ہی ہے تو کیا مسجد کے احترام کے خلاف ہے کیونکہ مسجد میں جب نعت شریف ہوتی ہے تو میں چلا جاتا ہوں۔ اگر کسی مکان میں نعت ہوتی ہے تو شوق سے سنتا ہوں۔

الجواب:- جس نعت کا مضمون شرع کے خلاف نہ ہو وہ مسجد اور غیر مسجد دونوں میں جائز ہے۔ اور جس کا مضمون خلاف شرع ہو وہ دونوں جگہ ناجائز

ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مانع خارج سے موجود ہو تب بھی ناجائز ہے جیسے نظم کا موسیقی قواعد سے پڑھا جانا یا لغت خواں کا مشقی ہونا۔ (امداد القادی ص ۱۹)

شعر و شاعری جائز ہے یا نہیں۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کیا شاعری ناجائز ہے؟ فرمایا کہ ناجائز تو نہیں لیکن بعض شاعروں کے اکثر مضامین خلاف شریعت ہوتے ہیں اس وجہ سے ان کے لئے بے شک ناجائز ہے۔

اسی طرح اگر غلو و انہماک زیادہ ہو جائے اس کو بھی منع کیا جائے گا۔ ایک شاعر صاحب تھے اگر نماز میں کوئی شعر ان کو یاد آجاتا تو نماز توڑ کر اس کو نکھ لیتے کسی نے کہا یہ کیا؟ کہا نماز کی تو قضا ہے مگر شعر کی قضا نہیں۔ اگر چاہی شعرا کے یہاں تو اشعار میں تو کوئی حد نہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۲)

۱۳۱۲
بزرگوں کے اشعار سے کسی مسئلہ پر استدلال کرنا درست نہیں۔

ارشاد فرمایا کہ میری یہ وصیت ہے کہ بزرگوں کے نظم و کلام سے کسی مسئلہ پر استدلال کرنا ہرگز مناسب نہیں کیونکہ شعر میں اکثر معانی الفاظ کے تابع ہو جاتے ہیں پہلے سے جو مسئلہ معلوم تھا اس پر اس کو منطبق کر لینا تو درست ہے لیکن اس سے کوئی مستقل مسئلہ نکالنا درست نہیں۔ (محاسن حکیم الامت ص ۱۸۵)

مولانا اسماعیل شہیدؒ کی حکایت اور حضرت تھانویؒ کا فرمان۔

خلوص کی ایک حکایت یاد آئی مولانا اسماعیل شہیدؒ نے ایک مجمع میں وعظ فرمایا۔ وعظ فرما کر نکل رہے تھے کہ ایک شخص ملا اس نے عرض کیا حضرت میں (اتنی دُور سے آ رہا ہوں اور میں) نے وعظ سنا ہی نہیں فرمایا اچھا پھر کہہ دوں گا سنو! چنانچہ پھر اکیلے ہی اس کے سامنے وعظ کہہ دیا۔ اللہ اکبر! کس قدر خلوص ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات جو کچھ کرتے تھے محض اللہ ہی واسطے کرتے تھے اس میں نفس کی آمیزش نہ ہوتی تھی۔

ہم تو اپنے ہی کو کہتے ہیں ہم سے اگر کوئی اس طرح درخواست کرے تو ہم پھر کبھی نہ کہیں گے بلکہ اگر مجمع کم ہو جب بھی دل نہیں لگتا۔

(التہذیب ملحق حقوق و فرائض ص ۲۱۲)

شملہ کے جلسے میں حضرت تھانویؒ کے لباس پر ایک صاحب کا اشکال اور حضرت تھانویؒ کا جواب۔

ایک واقعہ یاد آیا کہ ہم بعض معززین کی درخواست پر شملہ گئے تو وہاں وعظ کا

اعلان ہوا۔ کرنل عبدالحمید صاحب نے اپنے نام سے ملان کیا جس وقت میں وعظ کے لئے کھڑا ہوا۔ تو میرے کپڑے دیکھ کر بعض جیٹائینوں نے کرنل صاحب سے کہا کہ تمہارے علماء کے کپڑے تو ایسے ہیں جیسے ابھی یاخانہ سے نکل کر آ رہے ہوں۔ حالانکہ میں اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور جمعہ کا دن تھا اس لیے صاف بلکہ استری کے تھے۔ مگر ہاں کرتہ لمبا تھا اور پاجامہ اونچا تھا یہ نہ تھا کہ کرتہ اونچا ہو اور پاجامہ ٹکٹوں سے نیچا ہو۔ ان نو تعلیم یافتہ صاحب کو یہ لباس حقیر معلوم ہوا۔ کرنل صاحب نے ان سے کہا کہ ابھی اس بات کا جواب نہیں دینا چاہتا۔ وعظ ختم ہونے کے بعد پوچھنا اس وقت جواب دوں گا۔ چنانچہ وعظ ختم ہونے کے بعد کرنل صاحب منتظر رہے کہ اس اعتراض کا اعادہ کریں مگر وہ کچھ نہ بولے تب کرنل صاحب نے خود یاد دلایا کہ اب آپ کہیے کیا کہتے تھے کہنے لگے کچھ نہیں کہتا اور جو کہا تھا حاققت تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ لیاقت بھی کپڑوں کے موافق ہوتی ہے مگر اس وقت اپنی غلطی ظاہر ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ کپڑے معیار لیاقت نہیں۔

اتفاق سے یہ بات میرے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ میں نے دوسرے جلسہ میں ممبر پر جاتے ہی کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض حضرات ہمارے لباس پر خاص رائے رکھتے ہیں اور میں حسن ظن سے اس کا منشاء نیک مانتی سمجھتا ہوں کہ غالباً محبت سے۔ وہ جانتے ہوں گے کہ علماء عمدہ اور قیمتی لباس پہن کر وعظ کیا کریں۔ تاکہ سامعین کے مطلوب میں ان کی عظمت ہو اور ان کی عظمت سے مضمون کی عظمت ہو۔ مجھے اس منشاء پر اعتراض نہیں اور میں اس کے حسن و قبح (اچھائی برائی) سے اس وقت بحث نہیں کرنا چاہتا۔ میں تسلیم کیے لیتا ہوں کہ علماء کو عمدہ لباس پہن کر ہی وعظ کہنا چاہیے مگر سوال یہ ہے کہ عمدہ لباس آئے کہاں سے؟ ہمارے پاس تو اتنا روپیہ نہیں کہ آپ کی تجویز اور منشاء کے موافق لباس بنائیں تو اس صورت میں اتنا روپیہ کہاں سے آئے

زیادہ روپیہ حاصل کرنے کے جو ذرائع ہیں وہ دو قسم کے ہیں بعض تو شرعی قبیح ہیں جن کو ہم جائز نہیں سمجھتے جیسے ڈیٹی کلنری اور بعض عقلی قبیح ہیں جن کو نہ ہم جائز سمجھتے ہیں نہ آپ۔ جیسے وعظ کہہ کر اپنی حاجت پیش کرنا جب یہ دونوں ذرائع ناجائز ہیں صرف ایک ذریعہ رہ گیا ہے کہ ہم میں کوئی مدرس ہے کوئی مصنف کوئی محنتی کوئی کسی مطبع کا مصحح تو اس صورت میں ہماری مالی حیثیت اسی لباس کی ہوگی جس کو پہنے ہوئے ہیں اور اس سے زیادہ حیثیت بھی ہوتی تب بھی ہم کو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ آپ کی منشاء کے موافق کس قیمت کا لباس ہونا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ ہم اس موجودہ لباس سے بڑھیا (عمدہ) لباس پہن کر آئیں اور آپ کی نظر میں وہ بھی حقیر ہو اس لئے اس کی آسان صورت یہ ہے کہ معترض صاحب اپنی منشاء کے موافق نہایت قیمتی جوڑے ہمارے لیے بنا دیں تاکہ جب تک ہم شملہ میں رہیں اسی لباس کو پہن کر وعظ کہا کریں اور اس کا ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جب شملہ سے جانے لگیں گے تو وہ لباس آپ کے حوالے کر جائیں گے اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے تاکہ ہمارے بعد کوئی اور مولوی وعظ کہنے آئے تو آپ اس کو بھی وہ لباس دے سکیں کہ مولانا یہ کہتے ہیں کہ وعظ فرمائیے اس میں آپ کا مقصود بھی حاصل ہو جائے گا کہ سامعین وعظ کی نظروں میں قیمتی لباس کی وجہ سے علماء کی عظمت ہوگی اور ہم بھی خیر کے بارے میں شک و شبہ نہیں گے اور آپ کا بنایا ہوا لباس پھر آپ کے پاس واپس آجائے گا آپ کو ہر مولوی کے واسطے بار بار جوڑا تیار نہ کرنا پڑے گا۔ ایک دفعہ کا بنایا ہوا برسوں کام دے گا۔ اور غالباً معترض صاحب میں اتنی وسعت تو ضرور ہوگی کہ ایک دفعہ ہمارے لیے قیمتی جوڑے تیار کر دیں کیونکہ ہمارا لباس اس شخص کی نظروں میں حقیر ہو سکتا ہے جو مالدار صاحب وسعت ہو کیونکہ دوسرے مقامات پر ہمارے لباس کو کسی نے حقیر نہیں بتلایا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بہت ہی مالدار لوگ رہتے ہیں جن کی نظروں میں ہمارا اچکن کا لباس بھی حقیر ہے تو مہربانی فرما کر وہ لباس ہمارے لیے تیار کرادیں۔

ہم اس کو پہن کر وعظ کہہ دیا کریں گے اس سے ہمیں انکار نہ ہوگا اور یہاں سے روانگی کے بعد اگر دوسری جگہ بھی ہمارے لباس کو حقیر سمجھا گیا تو وہاں کے لوگوں سے بھی یہی کہہ دیں گے جو آپ سے کہا ہے اگر ان کو قیمتی لباس میں وعظ سُننا ہوگا تو وہ بھی اس کا انتظام خود کریں گے آپ کے بنائے ہوئے جوڑے ہم یہیں چھوڑ جائیں گے۔ یہ صورت بھی اس لیے سہل ہے کہ وعظ کہنے والا تو ایک آدمی ہے جو سینکڑوں مقامات پر جاتا ہے تو ایک آدمی کو ہر جگہ کے مزاج کی رعایت کرنا دشوار ہے اور ہر شہر کے آدمیوں کو ایک جوڑا اپنے مزاج کے موافق تیار کر لینا آسان ہے۔ اب میں منتظر ہوں کہ ہمارے واسطے جوڑے تیار ہو کر کب آتے ہیں اگر غیرت ہوگی تو بہت جلد اس کا انتظام کیا جائے گا۔ اس تقریر سے معترضین کی گردنیں جھک گئیں اور نگاہیں نیچی ہو گئیں۔

آج کل لوگوں کا ایسا مزاج بگڑا ہے ان کی نظروں میں صرف قیمتی لباس والے کی عظمت ہوتی ہے۔ (برکات رمضان وعظ تقلیل الاختلاط ص ۲۲)

باب ۱۳۔ طرح طرح کے عہد و خطابات

نااہلوں کو بڑے بڑے خطابات دینا۔

آج کل لوگوں نے اس کے برعکس کر رکھا ہے کہ بڑے بڑے خطابات لے لیتے ہیں خواہ ان کی اہلیت ہو یا نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے اذہم صرح الفاسق اھتزلہ العرش یعنی جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو عرش کا نیپ اٹھتا ہے اور آج کل اکثر مدد سے فاسق ہی کے ہاتھ میں ہیں اور ان کی مدح مہوئی ہے پھر زمین کا نیپ اٹھتی ہے تو کیوں تعجب کیا جاتا ہے جہاں خطابات اور

نہوا بڑے بڑے دیکھے۔ وہاں کام خاک نہیں دیکھا۔ (دعواتِ عبدیت ص ۶۲ ج ۳)
 آج کل خطابات بہت سستے ہو رہے ہیں حالت یہ ہے کہ جو تدویری بھی نہیں
 پڑھا سکتے ان کو مولوی کا خطاب مل جاتا ہے بہت سے شمس العلماء ایسے ہیں کہ
 اگر ان کے سامنے کوئی چھوٹی سی کتاب بھی پڑھانے کے لئے رکھ دو تو نہ پڑھا
 سکیں میں تو ایسے لوگوں کو شمس مسموف کہا کرتا ہوں۔ تعجب ہے کہ لوگ یہ بھی تو نہیں
 دیکھتے کہ حکام کا کسی کو کوئی خطاب دے دینا کہاں تک کمال کی حجت ہے۔
 گورنمنٹ کے خطاب دینے سے کسی کو شمس العلماء سمجھ لینا محض حماقت ہے
 گورنمنٹ خود ہی شمس العلماء نہیں ہاں شمس السلاطین کہہ دو تو خیر ایسے لوگ صرف
 پنجویں پوری نہیں جانتے اور ہی شمس العلماء۔ (حقوق الزوجین ص ۳۲)

ایسے خطابات و القاب کے نقصانات اور ممانعت کی شرعی وجوہات۔

ان الفاظ کو اختیار مست کہ اس سے برکت نہیں رہتی یہ غیر قوموں
 کی تقلید ہے من تشبه بقوم فهو منهم (جس نے کسی قوم کی مشابہت
 اختیار کی وہ ان ہی میں سے ہے) یہ حدیث لباس اور وضع ہی کے ساتھ
 خاص نہیں ہے جس بات میں مشابہت پائی جائے سب اس کے اندر
 داخل ہے۔ یہ اچھا ہے کہ تم اپنے آپ کو خادم کہو اور رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے تمہارا نام سردار رکھا ہے۔ سید القوم خادمہو (قوم کا
 سردار وہ ہے جو اس کا واقعی خادم ہے) یہ کتنی برکت کا سبب ہے۔
 اہل علم کے لئے یہ الفاظ (سیکرٹری وغیرہ) زیبا نہیں دیتے سچ کہتا
 ہوں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تشریف رکھتے ہوئے تو ان

الفاظ سے ضرور منع فرماتے لفظ اس اثناء تک سے قرآن شریف میں نہیں موجود ہے صرف اس وجہ سے کہ کفار کی مشابہت لازم آتی ہے۔

چہ جائیکہ یہ الفاظ ایسے ہیں کہ ان میں مشابہت کے علاوہ ترفع اور تبرک بھی ہے۔ اگر فرض کر لیجئے کہ کفار کی مشابہت بھی نہ ہوتی تب بھی ترفع و تبرک کا وجود ہی ان کے لئے کافی تھا۔

کیا ممبر اور گورنر ہی الفاظ رہ گئے ہیں۔ اگر ضرورت ہے تو اپنے قرآن شریف میں سے تلاش کر لو۔ فرماتے ہیں بشاورہ فی الامس۔ اس آیت سے رائے دینے والوں کا نام مشیر اور مکان کا نام مجلس شورعی اخذ کیا جاسکتا ہے۔ یہ الفاظ ممبر اور کٹی کا کا بخوبی دے سکتے ہیں پھر کیوں دوسروں کی شاگردی کی جائے۔
(دعواتِ جدیدت حقوق القرآن ص ۶۲، ۶۳ ج ۳)

اوپنے اوپنے لمبے چوڑے القاب سے اجتناب

آج کل لوگوں کو یہ خط بھی ہو گیا ہے کہ جب کوئی کام شروع کریں گے تو اس کے لئے نام بھی کوئی نیا اور نرالا تجویز کریں گے۔ (الفصل الموصل ص ۱۹)
ایک صاحب نے لفافہ پر حضرت کے نام سے پہلے حضرت الامام لکھا تھا ناگواری کے ساتھ فرمایا لوگ نئے نئے لفظ لکھتے ہیں جو امام تھے وہ تو خود کو مقتدی نہ سمجھتے تھے۔

ایک طالب علم نے عرض کیا کہ اس کی ایک تو جیبہ سمجھ میں آتی ہے کہ آج کل لوگوں نے نا اہلوں کو حضرت اور مولانا لکھنے کا التزام کر رکھا ہے اور وہ عام ہو گئے ہیں۔ اب اگر اہل کمال حضرات کے لئے بھی یہی الفاظ لکھے جائیں تو التباس ہوتا ہے۔ اس لیے اعلیٰ الفاظ استعمال کرنا چاہتے ہیں۔
فرمایا چند روز میں یہ بھی عام ہو جائیں گے۔ اس نے عرض کیا اور تلاش

کر لیے جائیں گے فرمایا وہ بھی عام ہو جائیں گے تو کہاں تک تلاش ہوگی یہ سب تکلف ہے۔

نسبتی نام

فرمایا آج کل نسبتوں کا بہت کا بہت رواج ہو گیا ہے جیسے فاروقی چشتی وغیرہ مجھے تو برا معلوم ہوتا ہے چاہے تفاخر کی نیت نہ ہو مگر صورت تو ضرور ہے۔ (الفصل للوصل ص ۱۹۴)

شیر پنجاب اور بیل ہند جیسے القاب

آج کل زمانہ عجیب طرح کا ہے کہ لوگ ہندوستان اور پنجاب کے جانور بننا چاہتے ہیں کوئی شیر پنجاب بنتا ہے کوئی طوطی ہند کوئی بیل ہند۔ لوگ انسان سے جانور بننا چاہتے ہیں خدا خیر کرے آج تو شیر اور بیل بنے ہیں کل کو کوئی گاؤں ہند اور خیر ہند بھی بننے لگے گا کیا وامیات ہے خدا نے تم کو انسان بنایا ہے تم چرند پرند کیوں بننے ہو۔ (التبلیغ ص ۱۵۰ ج ۲)

حدا دم العلماء والفقراء لکھنا

فرمایا بعض لوگ اپنے کو حد ام العلماء لکھتے ہیں مگر عوام کی طرف سے ایسا لکھا جانا صحیح تو ہے مگر دھوکا ہوتا ہے مولوی ہونے کا۔ اور حد ام الفقراء تو لکھنا اس سے بھی زیادہ سخت ہے اس کا تو یہ مطلب ہے کہ میں درویش ہوں۔ (حسن العزیز ص ۳۸۱ ج ۳)

اشتر فی رشیدی قاسمی وغیرہ لکھنا۔

ایک مرض یہ ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ اپنے نام کے ساتھ رشید لکھتے
 قاسمی، خلیلی، محمودی لکھنے لگے اور بعض کو ڈی ہوکر اپنے کو اشتر فی لکھتے ہیں
 اس میں شائبہ شرک تو نہیں مگر تحزب اور پارٹی بندی ہے اور حنفی اور شافعی لکھنے
 میں جو حکمت ہے وہ یہاں نہیں ہو سکتی کیونکہ وہاں اہل زینغ سے اجتناب
 مقصود ہے یہاں کس طرح استرازا مقصود ہے کیا اس جماعت میں بھی تمہارے
 نزدیک صاحب زینغ ہے جس سے امتیاز کا قصد کیا جاتا ہے (تار ملے)
 ہماری جماعت کے اندر بھی ایک شائبہ شرک کا اچلا ہے کہ خطوط میں بامداد اللہ
 اور ہوالرشید لکھتے ہیں۔ اگر اس سے حاجی امدا واللہ صاحب اور حضرت مولانا
 گنگوہی کے نام سے استعانت و تین (برکت) مقصود نہیں تو اس کی کیا
 وجہ کہ بھون اللہ اور ہواللہ کو چھوڑ کر امدا اور رشید کا لفظ اختیار کیا گیا۔
 کیا خدا کا نام رشید ہی رہ گیا ہے اور بھی بہت سے اسماء ہیں مگر ان
 میں پیر کے نام کی طرف اشارہ کیوں ہوتا۔ بس یہی شائبہ شرک ہے گو
 شرک نہ ہو۔ (جال الجلیل صفحہ جزار و سزار ص ۳۲)



باب ۵ فصل ۱

مُصنِّفین کی اہمیت اور دارالتصنیف والتالیف کے قیام کی ضرورت۔

فرمایا کہ مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی مدرسہ امداد العلوم تھانہ مجون میں طالب علموں کو پڑھانے کے لئے آئے تھے۔ مگر اب میں نے ان کو درس کے کام سے نکال کر تصنیف کے کام میں لگا دیا ہے اس کی آج کل سخت ضرورت ہے۔ مدرس تو بہت ہیں مصنف بھی ہونے چاہئیں۔ یہ کام اگر علماء اپنے ہاتھ میں لے لیں تو غیر علماء کو (مصنف بننے کی) ہمت نہ ہو اور نہ کوئی ان کی تصانیف کے سامنے ان کی قدر کرے۔ میرا ارادہ اس شعبہ کو مستقل کر دینے کا ہے۔ اس کی آج کل سخت ضرورت ہے۔ (حسن العزیز ص ۱۶۲ ج ۴)

تصنیف تالیف کی کثرت اُمتِ محمدیہ کے خواص میں سے ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ تصنیف بھی اس امتِ محمدیہ کے خواص میں سے ہے۔ فرمایا واقعی اور دوسری امتوں میں اس شان کی تصنیف نہیں ہوتی۔ ایک ایک حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا سکتے ہیں اور وسائل کے نام بتلا سکتے ہیں کہ فلاں سے فلاں نے روایت کی ہے اور ان کے حالات بھی بتلا سکتے ہیں کہ کون کس درجہ کا تھا۔ یہ اس مذہب کی خصوصیات میں سے ہے۔

ورد کوئی مذہب بھی کسی اپنی مذہبی بات کو اپنے پیشوا تک اس طرح سلسلہ کے ساتھ نہیں پہنچا سکتا۔

اور زیادہ عجیب اس لیے ہے کہ خلفاء اور سلاطین اکثر ان حضرات مصنفین کے مخالف رہے ہیں جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ان سے امداد تو کیا ملتی اور الٹے مخالفت کا معاملہ رہتا تھا باوجود کسی مادی امداد نہ ہونے کے ایسی عظیم الشان خدمت نہایت عجیب ہے۔ (انافات الیومیہ صفحہ ۳۵۶ ج ۲، ص ۷)

تصنیف و تالیف کا کام نہایت مشکل کام ہے۔

فرمایا کہ تصنیف کا کام بھی بہت مشکل کام ہے جو کام کرتا ہے وہی جانتا ہے کہ کیا مشکلات پڑتی ہیں۔ آج کل جو اکثر تصنیفات ہیں کہ مصنفین پر ساتی مینڈک کی طرح اٹھ پڑتے ہیں۔ اس وقت ان کا ذکر نہیں ان کا تو یہ قصہ ہے کہ ایک سینور نے لکھ مارا چاہے آگے پھر کچھ بھی ہوا کرے۔

ذکر ان مصنفین کا ہے جو محقق ہیں جن کے سامنے ہر پہلو ہے اور ہر جزئی اور کلی پر ان کی نظر ہے اور اس حالت میں پھر تصنیف کرتے ہیں۔ ان کی حالت تصنیف کے وقت ایسی ہوتی ہے جیسے جاں کنی کے وقت ہوتی ہے۔ (انافات الیومیہ صفحہ ۳۶۲ ہفتم سہم)

میں کوئی چیز نہیں ہوں لیکن حالت یہ ہے کہ جب کبھی کوئی رسالہ لکھتا ہوں تو راتوں کو نیند نہیں آتی پنسل کاغذ پاس لے کر سوتا ہوں اور جو کچھ یاد آتا ہے راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس کو لکھتا ہوں (دعوات عبدیت صفحہ ۲۷۰ ج ۲)

کتاب لکھنے کی غرض و غایت

ایک انگریز جنٹ نے حضرت والا سے پوچھا کہ آپ کو تفسیر لکھنے میں

کتنے روپے ملے حضرت والا نے فرمایا کچھ بھی نہیں اس نے بہت تعجب کیا اور کہا پھر اتنی بڑی کتاب کھنے کی آپ نے محنت ہی کیوں کی۔

حضرت والا نے فرمایا کہ ہم لوگ اس کے قائل ہیں کہ اس زندگی کے علاوہ ایک اور بھی زندگی ہے جس کو آخرت کہتے ہیں۔ میں نے یہ محنت اس توقع پر کی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ مجھے اس کا عوض اس دوسری زندگی میں ملے گا اور ایک اس سے دنیا کا فائدہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ جیب میں دیکھوں گا کہ میرے مسلمان بھائی اس کو پڑھ پڑھ کر فائدہ اٹھا رہے ہیں تو مجھ کو خوشی ہوگی۔

حضرت والا کی یہ تقریر سن کر انگریز پر خاص اثر ہوا اور اس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کے قلب میں اس جواب کی بہت وقعت ہوئی ہے۔
(اشرف السوانح ص ۳۸)

کتابوں کو رجسٹری کرنا اور حق تصنیف کی بیع کرنا۔

حقوق کی بیع کوئی معنی ہی نہیں۔ حق کوئی متقوم چیز نہیں۔ یہ سب جہالت ہے۔ (حسن الامنیہ ص ۱۵ ج ۲)

حضرت والا نے محض خدمت دین سمجھ کر لوجہ اللہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور مقصود دین کی اشاعت ہے اس لیے حضرت والا نے اپنی کسی تصنیف کی نہ خود رجسٹری کرائی نہ کسی دوسرے کو رجسٹری کرانے کی اجازت دی کیونکہ رجسٹری کرنا اور کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ حضرت والا نے ایک اعلان بھی شائع فرمایا جو بلفظ نقل کیا جاتا ہے۔

چونکہ یہاں کی تصانیف پر کسی سے کچھ حق تصنیف وغیرہ نہیں لیا جاتا اس لیے ان کی رجسٹری کرانے کا کسی کو حق نہیں فقط۔ (اشرف السوانح ص ۳۸)

حضرت والا کی طرف سے عام اجازت ہے کہ جس تصنیف کو جو چاہے اور

جتنی تعداد میں چاہے چھاپ سکتا ہے۔
 اپنی کسی تصنیف سے کبھی قسم کا دنیوی مفاد حاصل نہیں فرمایا یہاں تک کہ کسی
 کتاب کے طبع ہو جانے کے بعد اس کے نسخہ کے ملنے کی بھی توقع نہیں
 رکھی چہ جائیکہ شرط البستہ کسی نے محبت سے کوئی نسخہ پیش کیا تو لینے سے
 انکار بھی نہیں فرمایا۔ (اشرف السوانح ص ۴۴)

کتاب پر مصنف کا نا لکھنا

مردوں کے واسطے بھی میں کہتا ہوں کہ کتاب پر مصنف کا نام لکھنے کے
 ضرورت نہیں کیونکہ مقصود خدمت خلق ہے خدمت نام سے نہیں ہوتی تو نام
 لکھنے میں سوائے شہرت نفس اور نفس پرستی کے کیا ہے۔
 خیر مردوں کے لئے چنداں حرج بھی نہیں بلکہ اس میں مصلحت بھی ہو سکتی
 ہے کہ مصنف کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے سے کتاب کا درجہ اور اس کی
 روایات کا درجہ متعین ہو جاتا ہے۔ (التبلیغ ص ۴۵، کسار النصار)

عورتوں کو اپنا نام پتہ کسی مضمون یا رسالہ میں
 نہیں ظاہر کرنا چاہیئے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتوں کو اپنی تصنیف پر نام لکھنے سے
 کیا مقصود ہوتا ہے اگر ایک مفید مضمون دوسری عورتوں کے کان تک
 پہنچانے تو اس کے لئے نام کی کیا ضرورت ہے مضمون تو بغیر نام کے
 بھی پہنچ سکتا ہے پھر نام کیوں لکھا جاتا ہے۔

ایک آفت نازل ہوئی ہے کہ تعلیم یافتہ عورتیں اخباروں میں مضامین دیتی ہیں اور اس میں اپنا نام اور گلی اور مکان کا نمبر بھی ہوتا ہے۔ یہ شاید اس لیے کہ لوگوں میں ان سے خط و کتابت میں میل ملاقات میں دقت نہ ہو۔ نہ معلوم ان کی غیرت کہاں اڑ گئی۔ اور نہ جانے ان کے مردوں کی غیرت کہاں گئی۔ انہوں نے اس کو کیوں کر گوارہ کر لیا یوں کہے کہ طبیعتیں ہی مسخ ہو گئیں۔ عورت کے لئے تو کسی طرح نام (دپتہ) لکھنا مناسب نہیں۔ عورتوں کو تو کوئی تعلق سولے خاوند کے کسی سے بھی نہ رکھنا چاہیے نہ (التبلیغ ص ۷ ج ۲)۔

عورتیں بھی مصنف بن سکتی ہیں۔

ایک لڑکی کی تصنیف کردہ کتاب میرے پاس آئی جس کو میں نے پڑھا تو وہ بہت نافع معلوم ہوئی اس میں کوئی نقصان کی بات نہ تھی مگر اخیر میں مصنف کا پورا نام اور پتہ لکھا ہوا تھا کہ فلاں فلاں محلے کی رہنے والی۔ میں حیران ہوا کہ اگر تصدیق کرتا ہوں تو پورا پتہ لکھنے کے واسطے بھی سند ہو جائے گی کیونکہ نام اور پتہ ذخیرہ سب لکھا ہوا تھا اور تصدیق نہیں کرتا تو سوال ہو سکتا ہے کہ اس میں کون سی بات مضر تھی جس کی وجہ سے تصدیق نہ کی۔ اسی تردد میں تھا کہ ایک ترکیب سمجھ میں آگئی وہ یہ کہ میں نے مصنف کا نام کاٹ دیا اور اس کے بجائے لکھ دیا۔ راقم امتہ اللہ (اللہ کی ایک بندی) اور تقرظ میں لکھ دیا کہ یہ کتاب نہایت عمدہ ہے۔ اور سب سے زیادہ خوبی اس میں یہ ہے کہ یہ ایسی بی بی کی تصنیف کردہ ہے جو بڑی حیادار ہے کہ انہوں نے اپنا نام بھی اس پر نہیں لکھا۔ یہ ترکیب نہایت اچھی رہی اس واسطے کہ اگر وہ میری تصدیق اپنی کتاب پر چھاپیں گی تو اپنا نام نہیں لکھ سکتیں اور اگر اپنا نام لکھیں گی تو میری تصدیق نہیں چھاپ سکتیں چلو میرا بیچا چھوٹا ماہ (التبلیغ ص ۷ ج ۲)۔

فصل ۲۔

کتابوں کے نام نرم اور معنی خیر رکھنے چاہئیں۔

میں نے اپنی کتابوں کے نام نرم رکھے ہیں۔ چھوڑ چھاڑ کا نام اچھا نہیں۔ کتاب کا نام نرم رکھنا چاہیے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے جس کتاب کو دیکھنا چاہو تو پہلے دیکھو کہ نام کیسا ہے۔ اگر نام مناسب نہیں ہے تو کتاب مت دیکھو۔ پھر تمہید دیکھو۔ اگر تمہید اچھی نہ ہو تو پھر بھی اس کو چھوڑ دو۔

سخت نام رکھنے میں شریعت پر خشونت کا حرف آتا ہے۔ حالانکہ شریعت بڑی شفقت و رحمت کی چیز ہے۔ بعض کتابوں کے نام میں "شریعت کا لٹھ" شریعت کا آ رہا ہے۔ (حسن العزیز ص ۲۷۱ ج ۲)

فرمایا کتابوں کے نام بعض لوگ تو بالکل ہی مہمل رکھ دیتے ہیں ایک صاحب نے ایک کتاب لکھی اس میں کلمات کفریہ جمع کیے ہیں۔ اور نام رکھا ہے "توبہ گالی الہی" یعنی خدا تعالیٰ کو برا کہنے اور کفر بکنے کی وعید۔ (الفصل للوصل وغیرہ ص ۴۱)

بعض مصنفین کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کیوں اس شخص نے تکلیف اٹھائی اور وقت بیکار کھوایا۔ نام تک رکھنے کا سلیقہ نہیں۔ آج کل تو ہر شخص مصنف بنا ہوا ہے۔ (الاناضات ص ۶۷ ج ۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہیں وصایا میں لکھایا ہے کہ اگر کوئی کتاب دیکھنا ہو تو پہلے اس کا نام دیکھو۔ مناسب ہے یا نہیں۔ اگر نام مناسب نہ ہو تو وقت ضائع نہ کرو۔

(الفصل للوصل ص ۲۱)

اہم ملفوظات فتاویٰ یا کسی مضمون کا نام رکھنا۔

میں ملفوظات کے بھی نام رکھ دیتا ہوں چاہے چھوٹا ہی ذخیرہ ہو اور فتویٰ ہو یا کچھ بغرض جو مضمون اہم ہوتا ہے۔ اس کا نام رکھ دیتا ہوں اس طرح کرنے سے اس کا حاصل کرنا سہل ہوتا ہے مثلاً اگر چھپ گیا تو منگنا سہل حوالہ دینے میں آسانی ہوتی ہے۔ اگر کسی اور مضمون میں اس کے حوالہ کی ضرورت ہو تو سہولت ہوتی ہے۔
(الفصل الموصل ص ۲۱)

چند نمونے

۱۔ احقر نے جب ملفوظات و واقعات قلم بند کرنا شروع کیا تو فرمایا کہ نام کیا رکھئے گا عرض کیا کہ حضور ہی تجویز فرمادیں فرمایا کہ مجھے تو ایسا نام نہیں رکھنا چاہیے لیکن ذہن میں ہے ایک نام بہت اچھا۔ آپ کا نام عزیز الحسن ہے آپ کی تصنیف کا نام حسن العزیز یعنی اپنے عزیز کا حسن کیونکہ اصل حسن تو یہی ہے باتیں ہیں۔ (حسن العزیزہ ص ۱)

نام تو ایسے پر لطف اور بامعنی تجویز فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ۔ احقر نے ایک انتخاب ثنوی شریف کا کرنا شروع کیا تھا جس کے ایک حصہ میں سوز و گداز کے عاشقانہ اشعار تھے اور دوسرے میں پند و نصیحت کے اشعار جمع کرنے کا ارادہ تھا حضرت نے فرمایا پہلے حصہ کا نام ”برق ثنوی“ ہوگا کیونکہ اس میں عاشقانہ اشعار ہوں گے اور دوسرے کا ”رعد ثنوی“ کیونکہ نصیحت آمیز اشعار میں تہدید و ترہیب ہوتی ہے۔ جو رعد کے مناسب ہے اور مجموعہ کا نام صحاب ثنوی ہوگا جس میں برق و رعد دونوں ہوتے ہیں اور ٹائیٹل پر یہ آیت لکھی جائے۔ فیہ ظلمات و سعاد و برق اور جو نیک اثر ان

دونوں قسم کے اشعار کا ہو گا وہ گویا بارانِ رحمت ہو گی۔ (حسن العزیزہ ص ۱۸)

فصل ۳ تصنیف و تالیف کے متعلق ضروری ہدایات

جو بھی صورت تالیف و تصنیف ہے خواہ اشتہار ہو یا اخبار ہو یا رسالہ و کتاب ہو اس میں بھی ضرورت وقت کا لحاظ رکھیں اور عبارت میں سلاست اور کفایت کی رعایت ہو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ معاش کی صورت اور سبیل عطا فرما دے تو اپنی تصانیف کی خود تجارت نہ کرے۔ (اصلاح انقلاب ص ۲۳)

تصنیف و تالیف سے متعلق چند کوتاہیاں۔

اس میں بھی چند کوتاہیاں ہیں۔

- ۱۔ غیر مفید (مباحث اور) فنون میں تصنیف کرنا۔
- ۲۔ رد و تدح (بحث و مباحثہ) و مجادلہ کو اپنی تصنیف میں معظم مقصود بنالینا۔
- ۳۔ ایسے مباحث لکھنا جن کی ضرورت عوام کو نہ ہو یا عوام کو مشوش پریشان کرنے والے ہوں مثلاً کلام یا تصوف کے نازک مسائل۔ اور اگر خواص کو نفع پہنچانے کی ایسی ہی ضرورت ہو تو خاص زبان میں مثلاً عربی میں لکھے کہ عوام الناس کی نظر تک نہ پہنچے۔

۴۔ تصنیف کر کے حق تصنیف بیع کرنا۔

- ۵۔ محض تجارت کے لئے عوام کے مذاق پسند تصنیف کر کے اس سے روپیہ حاصل کرنا۔ (حقوق العلم ص ۱۴)

کام شروع کرنے کا طریقہ۔

فرمایا کہ جب میں تصنیف کا کام کرتا تھا تو عادت یہ تھی کہ ہر وقت کاغذ پینل میرے ساتھ رہتے تھے۔ چلے پھرتے۔ اٹھتے بیٹھتے کوئی مضمون یاد آگیا فوراً لکھ لیتا تھا۔ آدھی رات کو کوئی چیز یاد آتی تو لکھ کر سوتا تھا کیونکہ بعض اوقات مضمون ذہن سے غائب ہو جاتا تھا پھر سوچنے سے بھی نہیں آتا۔

(مجلس حکیم الامت ص ۲۲۸)

مناسب یہ ہے کہ کاغذ اور پینل جیب میں پڑا رہے جس وقت جو مضمون ذہن میں آئے اُس کا اشارہ لکھ لیا جائے پھر دوسرے وقت ان میں ترتیب دے لی جائے۔ چنانچہ میری جیب میں پینل اور کاغذ پڑا ہے ورنہ بعض مضامین ذہن میں آتے ہیں اور پھر نکل جاتے ہیں۔ (حسن العسکری ص ۱۲۵)

مسودہ تیار کرنے کا طریقہ۔

خواجہ عزیز الحسن صاحب اشرف السوانح لکھنے کے لئے طویل چھٹی لے کر تھانہ بھون میں مقیم تھے۔ چھٹی ختم ہونے کو آگئی اور کام بہت باقی تھا۔ حضرت (تھانوی) نے فرمایا کہ میں ہمیشہ کہتا تھا کہ مختصر مختصر جو سامنے آئے اس کو لکھ ڈالو پھر جو یاد آتا رہے گا اضافے ساری عمر کرتے رہنا۔ کام اسی طرح ہوتا ہے مگر کوئی بڑبڑوں کی بات مانتا نہیں جوانی کے جوش میں جب کام لے کر بیٹھتے ہیں تو یہ خیال کرتے ہیں کہ سبھی کچھ کر ڈالیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ (مجلس حکیم الامت ص ۲۳۶)

حضرت والا کو کسی مضمون کے تحریر فرمانے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت

نہیں پڑتی۔ اکثر بڑے بڑے غامض مضامین کو بھی قلم برداشتہ ہی لکھتے دیکھا گیا اور بعد کو بھی اس میں اضافات و ترمیمات بھی بکثرت فرماتے رہتے تھے۔ حضرت نے یہ اطلاع بھی شائع فرمادی کہ جس مسودے پر میرے دستخط نہ ہوں یا جا بجا میرے ہاتھ کی اصلاح نہ بنی ہوئی ہو وہ میرا نہ سمجھا جائے۔ (اشرف السوانح صفحہ ۴۷)

حیوۃ المسالین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا تعب کسی تصنیف میں نہ پڑا ہوگا کیونکہ صرف اس تصنیف میں یہ ہوا کہ اس کے اکثر مضامین کے دو مسودے کسی مضمون کے تین مسودے تک لکھے پڑے۔ (اشرف السوانح صفحہ ۴۷)

یادداشت کاپی اور بیدار مغزی کی ضرورت۔

جب ہمیشہ زیور کا دسواں حصہ زیر تالیف تھا جس میں عورتوں کی بے تمیز لیاں کا بھی ذکر ہے اس زمانہ میں جب کسی کے گھر تشریف لے جانا ہوتا تو جہاں بے تمیزی کی بات دیکھنے میں آتی۔ فوراً اس کو اپنی یادداشت میں لکھ لیتے۔ اسی طرح مشی (ٹہلنے) وغیرہ میں بھی حضرت دالا کا ذہن اکثر فارغ نہیں رہتا اکثر مشکل مسائل میں غور و خوض ہی فرماتے رہتے ہیں اور جب کوئی بات سمجھ میں آتی ہے اس کو یادداشت (کاپی) میں فوراً تحریر فرما لینے کا انتظام فرماتے ہیں تاکہ ذہن سے نہ نکل جائے یہاں تک کہ بعض مرتبہ اسی غرض کے لئے جنگل سے لوٹ آئے اور اس مضمون کو قلمبند فرما کر پھر ٹہلنے کے معمول کو پورا کرنے کے لئے جنگل دوبارہ تشریف لے گئے۔

اس کا یہ بھی سبب ہے کہ حضرت دالا اپنے دماغ پر کسی بات کے یاد رکھنے کا بار بلا ضرورت سمجھی نہ ڈالتے اور کوئی کام ادھار نہیں رکھتے چنانچہ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ جس وقت جو کام پیش آتا ہے میں اس کو دوسرے وقت پر نہیں ٹالتا فوراً کر ڈالتا ہوں۔ گو اس میں اس وقت تو تھوڑی تکلیف ہوتی ہے لیکن

فرغت کے بعد بالکل بے فکری ہو جاتی ہے اور پھر بڑی راحت رہتی ہے ورنہ
ٹٹانے سے پھر کام ہوتا ہی نہیں اور اگر ہو بھی تو برابر فکر دامنگیر رہتی ہے اور
جتنی وقت گزرتا ہے وہ کھفت ہی میں گزرتا ہے پھر تھوڑی دیر ہی کی تکلیف ہی
کیوں نہ گوارہ کر لی جائے۔ (اشرف السوانح ص ۴۶)

حضرت والا جس زمانہ میں بحیرت کتابیں تصنیف فرماتے تھے اکثر اپنے
پاس پینل اور کاغذ رکھتے تھے اور جس وقت اس کے متعلق کوئی مضمون ذہن
میں آتا فوراً اس کو لکھ لیتے بلکہ بعض اوقات رات کو سوتے وقت بھی تکیہ
کے نیچے کاغذ اور پینل رکھ لیتے تاکہ اگر رات کو بھی کوئی مضمون ذہن میں آئے
تو فوراً روشنی کر کے اس کے متعلق یادداشت لکھ لی جائے۔ (اشرف السوانح ص ۴۵)

تصنیف و تالیف کی مشکلات تتبع و تلاش

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بعض تصانیف میں کسی بہت ہی مختصر
سی بات معلوم کرنے کے لئے بعض کتابوں کو دوسرے مقامات سے بڑا
اہتمام اور خرچ کر کے منگوا گیا اور اس کی مدد سے ایک ذرا سی عبارت لکھ
کر ان کو فوراً واپس کر دیا گیا۔ اب ذرا سی عبارت دیکھنے والا یوں ہی پڑھتا
چلا جائے گا لیکن اس کو کیا خبر کہ اس کے لکھنے میں کتنا اہتمام کیا گیا تھا۔
(اشرف السوانح ص ۴۶ ج ۲)

غور و فکر اور دعا

تفسیر بیان القرآن کے بعض بعض مقامات کی تفسیر لکھنے کے قبل آدھ آدھ
گھنٹہ ٹہلتا رہا اور سوچتا رہا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا تب کہیں جا کر
شرح صدر ہوا اور جن بعض مقامات کے متعلق پھر بھی شرح صدر نہ ہوا وہاں

انس کا اظہار کر دیا اور لکھ دیا کہ اگر اس سے بہتر تفسیر کہیں مل جائے تو اسی کو اختیار کیا جائے چنانچہ تفسیر میں دو مقامات ایسے ہیں ایک سورہ برات میں ایک سورہ حشر میں ۔
(اشرف السوانح ص ۴۶)

انضباط اوقات اور پابندی کی ضرورت

انضباط اوقات میں بڑی برکت ہوتی ہے کوئی کام مشکل نہیں رہتا۔
(حسن العزیز ص ۵۲۶ ج ۱)

حضرت والا انضباط اوقات کے یہاں تک پابند ہیں کہ جب حضرت والا کے استاد محرم جناب مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لا کر مہمانے ہوئے تو حضرت والا نے حضرت مولانا کے لئے راحت و آرام کے سارے انتظامات فرما دیئے کے بعد جب تصنیف کا وقت آیا تو نہایت ادب کے ساتھ اجازت حاصل فرما کر تصنیف کے کام میں مشغول ہو گئے گو پھر لڑکھائیاں لگا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد حاضر خدمت ہو گئے لیکن بالکل ناغہ اس روز بھی نہ کیا ۔
(اشرف السوانح ص ۴۶)

ناغہ کی بے برکتی۔

ناغہ کی بڑی بے برکتی ہو جاتی ہے چاہے تھوڑا ہی سا ہو لیکن ناغہ نہ کرے میں بھی جب کوئی مضمون یا کتاب لکھتا ہوں تو ناغہ نہیں کرتا بعض روز بالکل فرصت نہ ملی تو برکت کے لئے صرف ایک ہی سطر تجھی لی اس سے تسلی قائم رہتا ہے ورنہ اگر ناغہ ہو جائے تو پھر بے تعلقی ہو کر مشکل سے دوبارہ نوبت آتی ہے ۔
(حسن العزیز ص ۵۲۶ ج ۱ ملفوظ مسر)

کام کا جذبہ اور عملی تقاضہ قابل قدر ہے۔

مولوی شبیر علی صاحب نے جو کہ شنیٰ شریف کے روزمرہ کے سبق کو ساتھ ساتھ لکھتے جاتے ہیں گرمی اور ضعف دماغ کی وجہ سے چاہا کہ فی الحال صرف نوٹ لکھ لیا کریں بعد میں شرح لکھ لی جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ سہولت اور مصلحت دیکھ لو کام میں جب تک عملی تقاضا نہ ہو تاہل ہو جاتا ہے۔ ابھی تو یہ ہے کہ روز کا سبق روز پورا کرنا پڑتا ہے۔ اگر یہ التزام چھوڑ دیا جائے گا تو پھر عملی تقاضا نہ رہے گا بعد میں پورا کرنا دشوار ہوگا۔
(حسن العزیز ص ۵۴۶ ج ۱)

کام کی دھن اور حضرت تمھانوی کا حال

فرمایا کسی کتاب یا تصنیف کے ختم کے قریب مجھ کو بہت تقاضا ہوتا ہے۔ چنانچہ شنیٰ شریف کے حصہ ششم کے اخیر ربع کی شرح کو صرف دس دن میں ختم کر دیا حالانکہ اوسط ہر ربع کا ایک مہینہ کا تھا جس دن ختم کیا ہے اس دن تمام شب برابر بکھتا رہا اور پھر ظہر کی اذان تک لکھا یہاں تک کہ ختم کر کے ہی اٹھا آج کل نوجوانوں کی ہمتیں ہسی پست ہیں۔ ورنہ اگر ہمت کریں تو حق تعالیٰ خود مدد فرماتے ہیں الحمد للہ مجھے کوئی کام دشوار نہیں معلوم ہوتا ہمت کر کے لے بیٹھتا ہوں تو حق تعالیٰ پورا ہی فرما دیتے ہیں۔
(حسن العزیز ص ۵۴۶ ج ۱)

حضرت والا کے اندر کام سے جلد فراغت حاصل کرنے کا تقاضا تھا، مگر حضرت والا کے اندر کسی کام کو شروع کر کے اس سے اپنے

قلب کو فارغ کرنے کا تقاضا اس شدت سے پیدا ہو جاتا ہے کہ جب تک اس سے بالکل فراغت حاصل نہیں فرمائیے پچھن ہی نہیں پڑتا رات دن وقت بے وقت (بہاستثناء امور ضروریہ) اسی کی دُصن میں لگے رہتے ہیں اور اس کو جلد از جلد پورا ہی فرما کر دم لیتے ہیں۔

چنانچہ جب کلیدِ مثنوی ختم کرنے کے قریب پہنچی تو اس سے فراغت حاصل کرنے کا اس شدت سے تقاضا ہوا کہ اخیر میں دن بھر اسی کو دیکھتے رہے۔ ایک منٹ کے لئے بھی نہ سوئے اور فجر سے قبل اس کو ختم کر کے چھوڑا اور فرمایا کہ پوری رات جاگنے کا پہلا اتفاق ہوا خلافِ عادت ہونے کی وجہ سے بخار ہو گیا لیکن بخار میں بھی ایک اطمینانی کیفیت تھی کیونکہ کام سے فارغ ہونے کے بعد بخار آیا تھا۔ (اشرف السوانح ص ۴ ج ۲)

غلو اور زیادہ کاوش سے احتراز

چونکہ سببِ حضرت والا کی کثرتِ تصانیف کا عدم غلو ہے چنانچہ مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک باریبی رائے ظاہر فرمائی تھی۔ حضرت والا حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کی رائے کو نقل فرما کر فرمایا کرتے تھے کہ بالکل صحیح فرمایا۔ زیادہ کاوش سے کچھ کام نہیں ہوتا۔ میری نظر تو صرف ضرورت پر رہتی ہے۔ ضرورت سے زیادہ کاوش کرنے سے بہت جی الجھتا ہے اسی وجہ سے میری عبارت بہت مختصر ہوتی ہے۔ مگر اظہارِ مدعا کے لئے کافی دوانی ہوتی ہے اور واضح بھی ہوتی ہے بلا ضرورت میں ہرگز تطویل نہیں کرتا مگر جہاں موضوع کے لئے تطویل ہی کی ضرورت ہو وہاں تطویل سے بھی گریز نہیں کرتا۔

(اشرف السوانح ص ۴ ج ۲)

سلف صالحین کی مخالفت اور اُن سے بدگمانی کرنے سے احتراز۔

۱۱۔ فرمایا کہ اہل علم کے کام کی ایک بات بتلاتا ہوں کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلف صالحین کی عظمت پر ہے اس لئے حتی الامکان ان پر اعتراض و تنقیص کی آج نہ آنے دینا چاہیے۔ (الافاضات ص ۲۴۵ ج ۲)

میں نے بیان القرآن میں یہ بھی التزام کیا ہے کہ تفسیر تو وہی لکھی جو خود میری سمجھ میں آئی لیکن جب تک اس کی تفسیر سلف صالحین کی تفاسیر سے نہیں ملی اس پر اطمینان نہیں کیا اس التزام میں وقت بھی بہت صرف ہوا اور ہر مقام کے لئے بہت سی تفاسیر کو دیکھنا پڑا اور دیکھنے والوں کو اس کی خبر بھی نہیں کی اور جہاں اپنی تفسیر کی کوئی صریح تائید سلف سے یا وجود تلاش کے نہیں ملی وہاں بھی لکھا میں نے اپنی ہی تفسیر کو لیکن اس کے آگے یہ لکھ دیا کہ هذا من المواہب۔

اس صورت میں تفسیر لفظاً بر تو سلف کی تفاسیر سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ سرتاسر خود حضرت دالہ ہی کی تفسیر ہے۔ (اشرف السوانح ص ۴۴)

اصل مضمون اور مسودات کو محفوظ رکھنا۔

حضرت دالہ مثل دیگر امور ضروریہ کے اپنی تصانیف کے متعلق بھی احتیاط اور اہتمام کا التزام رکھتے ہیں چنانچہ ہر چھوٹی بڑی تصنیف یا تحریری مضمون کے ناموں کی بالالتزام اپنے پاس یادداشت رکھتے ہیں اور وقتاً

نوٹا شائع فرماتے رہتے ہیں مکمل فہرست محفوظ رہنے کی بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ اس صورت میں کوئی غلط طور پر حضرت والا کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ حضرت والا ایک عام اطلاع شائع فرمادی کہ جس سودے پر میرے دستخط نہ ہوں یا جا بجا میرے ہاتھ کی اصلاح بنی ہوئی نہ ہو وہ میرا نہ سمجھا جائے۔
(اشرف السوانح ص ۲۵)

فصل ۲۲ تصحیح الاغلاط و ترجیح الراجح کا سلسلہ

اپنی غلطی واضح ہو جانے کے بعد اس سے رجوع کرنا اور اس کا اعلان کرنا۔

مجھ کو اپنے فہم یا تحقیق پر وثوق تو کبھی نہیں ہوا مگر اس کے ساتھ ہی اپنے ساتھ اتنی بدگمانی بھی نہ تھی کہ از خود اپنی زلالت (غرضوں) و اغلاط کی تفتیش کا اہتمام کرتا۔ البتہ اگر کبھی اتفاقاً کسی نے کسی غلطی کی اطلاع دی تو بحمد اللہ فوراً رجوع کر لیا اور کسی نہ کسی موقع پر اس کو شائع کر دیا چنانچہ میری تحریرات سے یہ بات ظاہر ہے۔

خصوصاً امداد الفتاویٰ کے بعض حصص کے اخیر میں ایک طویل فہرست اس کی بھی طبع ہے۔ پھر جب ان قیہات کی مقدار معتد بہ ہو گئی تو مصلحت معلوم ہوئی کہ اس کا ایک مستقل سلسلہ جاری رکھا جائے چنانچہ ترجیح الراجح کی یہی حقیقت ہے۔
(اشرف السوانح ص ۱۳۲ ج ۱۲)

حضرت والا کی اعظم خصوصیات میں سے یہ ہے کہ اپنی تصانیف کے تسامحات کو جن کا علم خود یا کسی دوسرے کے ذریعے ہوتا رہتا ہے۔

ان سے رجوع فرماتے رہتے ہیں اور اس رجوع کو نتائج بھی فرماتے رہتے ہیں اور اس سلسلہ کا ایک خاص لقب بھی۔

”ترجیح الراجح“ تجویز کیا گیا ہے جو مستقل طور پر جاری ہے اس سلسلہ میں جہاں حضرت والا کو اپنے نتائج پر مشرح صدر ہو جاتا ہے وہاں رجوع فرماتے ہیں اور جہاں تردد رہتا ہے وہاں جواب لکھ کر یہ تحریر فرمادیتے ہیں کہ دیگر علماء سے بھی تحقیق کر لی جائے۔

اس سلسلہ کے متعلق ایک مولوی صاحب سے حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا یہ قول احقر نے سنا ہے کہ ترجیح الراجح اس زمانے میں بالکل ایک زالی چیز ہے۔ یہ سلف صالحین کا معمول تھا۔ مولانا تھانوی کی استیلاؤں کی شان اور کمال صدق و اخلاص کے ظاہر کرنے کے لئے بس یہ کافی ہے۔ (اشرف السوانح ج ۲ ص ۴۷)

غایت احتیاط۔ دوسرے علماء سے نظر ثانی کر دانا۔

پھر خیال ہوا کہ یہ کیا ضروری ہے کہ ہر لغزش پر کوئی نہ کوئی متنبہ بھی کر دیا کرے تو اس صورت میں بہت سے زلات (لغزشیں) اصلاح سے رہ جائیں گے اس لئے اس کا یہ اہتمام کیا گیا کہ اہل علم میں سے ایسے متدین و مقصد علماء و عملاً حضرات کو جو نہ میری رعایت کریں اور نہ خواہ مخواہ کا عناد کریں۔ اپنی تمام مولفات پر نظر ثانی کرنے کے لئے منتخب کر کے ان کو یہ کام سپرد کیا گیا کہ ایسے مواقع میں پوری تحقیق اور آزادی سے کام لے کر ایسے زلات کی نصیحت فرمادیں۔ چنانچہ نہایت خوبی سے یہ کام بہرہا ہے۔ میری وصیت ہے کہ اگر میرے سامنے یہ کام مکمل نہ ہو تو میرے بعد بھی اس کو جاری رکھیں۔ (اشرف السوانح ج ۲ ص ۴۷)

اگر کوئی کتاب کا رد لکھے۔

فرمایا جب کوئی شخص میری کتاب کا رد لکھتا ہے تو جب وہ (رد) میرے پاس آتا ہے تو اول نظر میں خیال ہی ہوتا ہے کہ مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے اس کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں کہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے تاکہ اس سے رجوع کر کے تصحیح کر دوں۔ اس کا جواب دینے کی نیت سے نہیں دیکھتا ہے (جالس حکیم الامت ص ۱۶۸)

حضرت گنگوہیؒ کا حال

سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ قدس سرہ نے جب رد بدعات پر کچھ رسالے لکھے تو اہل بدعت سے سب دشتم کی بوچھاڑ شروع ہوئی۔ بعض مشہور اہل بدعت کی طرف سے بہت سے رسالے ان کے خلاف سب دشتم کے بھرے یکے بعد دیگرے شائع ہوتے تھے حضرت گنگوہیؒ کی بیٹائی اس وقت نہیں رہی تھی مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی صاحب حضرت کے خادم خاص اور معتقد تھے آنے والی ڈاک کو پڑھ کر سنا تے تھے اور پھر جواب لکھنے کی خدمت انہیں کے ذمہ تھی ان میں وہ رسالے بھی ہوتے تھے جو ان حضرات کی طرف سے آتے تھے۔

کچھ دن ایسے گزرے کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے کوئی رسالہ نہیں سنایا تو حضرت گنگوہیؒ نے پوچھا کہ مولوی یحییٰ صاحب کیا ہمارے دوست نے ہمیں یاد کرنا چھوڑ دیا ہے؟ بہت دنوں سے ان کا رسالہ نہیں آیا۔

مولوی یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ رسالے تو کئی آئے مگر وہ مجھ سے پڑھے نہیں جاتے حضرت نے فرمایا کیوں؟ عرض کیا اُن میں تو گالیاں بھری ہیں۔ آپ

نے پیدا تو فرمایا ارے میاں کہیں دور کی گالی بھی لگا کرتی ہے؟ پھر فرمایا کہ وہ ضرور سناؤ ہم تر اس نیت سے سنتے ہیں کہ ان کی کوئی بات قابل قبول ہو تو قبول کریں اگر ہماری کسی غلطی پر صحیح تنبیہ کی گئی ہو تو اپنی اصلاح کریں۔
(محاسن حکیم الامت ص ۴۲)

کتابوں میں واقع شدہ لغزشوں سے متعلق دو قاعدے

تالیفات کے بعض مقامات میں مجھے کچھ لغزشیں بھی ہوئی ہیں جو اس وقت ذہن میں۔ اضر نہیں ان کے دو قاعدے عرض کرتا ہوں۔
ایک یہ کہ میری کسی ایسی تصنیف میں جو محل لغزش سے متاخر مؤخر ہو اس کی اصلاح کر دی گئی ہو۔

اور متاخر (مؤخر) ہونا تاریخ کے ملانے سے جو کہ ہر تصنیف کے آخر میں التزاماً لکھی گئی ہے معلوم ہو سکتا ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم کر لینا چاہیئے کہ میری تالیفات میں جو مضمون متعارض ہو اس میں اخیر کا قول میرا سمجھا جائے گا دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ ایسے مواقع مشتبہ کو دوسرے علماء تحقیق سے تحقیق کر لی جائے اور ان کے قول کو میرے قول پر ترجیح دی جائے۔

اسی طرح اگر میرا لکھا ہوا کوئی مشتبہ فتویٰ کسی کے نظر سے گزرے اس میں بھی یہی تقریر معدوم ہے۔ کیونکہ بعض اوقات لکھنے کے بعد خود مجھ کو بعض جوابوں کا غلط ہونا محقق ہوا ہے۔ میں نے سائل کا پتہ معلوم ہونے پر اس کو مطلع بھی کر دیا ہے لیکن پتہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں غلطی میں پڑنے کا احتمال ہو سکتا ہے اس لئے احتیاطاً یہ عرض کیا گیا (اشرف السوانح ص ۱۱۳)

فصل ۵۔ کتابوں کی تقریظ لکھنا

آج کل یہ بھی پیسے کمانے کی ایک ترکیب ہے کہ علماء کے پاس ایسی کتاہیں بھیجی جاتی ہیں اور خط اھر میں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ان میں کوئی نقص ہو تو اس کی اصلاح کر دی جائے۔ اصلاح تو جیسی مقصود ہوتی ہے معلوم ہے اصلی غرض یہ ہے کہ ان پر تقریظ لکھ دی جائے۔ تاکہ زیادہ اشاعت ہو سکے چنانچہ بعض بااخلاق علماء تقریظ لکھ بھی دیتے ہیں۔

مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سخت غلطی ہے کیونکہ اس سے ان کو اس یہودہ تعلیم کی تائید مل جاتی ہے۔ بچہ سے کوئی پوچھے تو ان کتاہوں کی اصلاح یہ ہے کہ ان سب کتاہوں کو جمع کر کے ایک دم جلا دیا جائے کیونکہ ہر چیز میں اعتبار غالب کا ہوا کرتا ہے اور ایسی کتاہوں میں غالب شر ہے اور شر کا علاج یہی ہے کہ سب کو جلا دو۔ (التبلیغ ص ۶۹، ۷۰)

تقریظ لکھنے کی بابت حضرت تھانویؒ کا معمول

حضور والا کسی کتاب پر تقریظ محض اجمالی مطالعہ پر نہیں تحریر فرماتے کیونکہ اس کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اگر تفصیلی مطالعہ کی فرصت نہیں ہوتی تو کسی ایک مقام کی تعیین کر لیتے ہیں اور اسی کے متعلق تقریظ تحریر فرما دیتے ہیں اور اس صورت میں جس پر اطمینان ہوتا ہے اس مقام کی تقریظ میں یہ اضافہ بھی تحریر فرما دیتے ہیں کہ امید ہے کہ بقیہ کتاب بھی ایسی ہوگی۔

۱۸۸۵

— پی —

اور تجربہ کے قبل احیانا اس معمول کے خلاف بھی ہو گیا ہے مگر بعد میں اس کتاب کی غلطیوں پر مطلع ہونے پر بہت افسوس ہوا اور اپنی تقریظ سے رجوع کا اعلان شائع فرمادیا۔ (اشرف السوانح ص ۷)

مضمون کیسے رسالے میں نکالیں

سندھ سے ایک خط حضرت، نذللہ العالی کی خدمت میں آیا کہ یہاں سے ایک اخبار نکلنے والا ہے اس میں یا تو اپنا مضمون دیا کیجئے یا کوئی اپنا وعظ دے دیجئے کہ وہی تھوڑا تھوڑا نکالا جائے اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ جب تک پرچہ کی حالت نہ دیکھ لی جائے کہ اس میں کس قسم کے مضامین نکلتے ہیں اس وقت تک اپنا مضمون دینا مناسب نہیں۔ کیونکہ مضمون کے ہونے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ اخبار ان کا بھی پسندیدہ ہے تب ہی تو مضمون اس میں طبع ہوا۔

(حسن العزیز ص ۱۲۵ ج ۲)

ملفوظات و مواعظ

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ملفوظات ضبط کرنے کا اہتمام نہ کرو اس کی کوشش کرو کہ تم ایسے ہو جاؤ کہ تمہارے منہ سے بھی وہی نکلنے لگے جو ان بزرگوں کے منہ سے نکلا۔ (الفصل الموصل ص ۱۹۴)

ایک بار فرمایا سوانح عمریاں لکھنے سے اتنا نفع نہیں ہوتا جتنا کہ ملفوظات کے لکھنے سے ہوتا ہے۔ (حسن العزیز ص ۱۲۵ ج ۱)

بزرگوں کے ملفوظات و مواعظ کا مطالعہ کیا جائے۔ بزرگوں کی تصانیف اور ان کے ملفوظات میں بھی اثر ہوتا ہے جو ان کی صحبت میں ہوتا ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بزرگوں کی تصانیف میں قریب قریب

وہی نفع ہوتا ہے جو ان کے پاس رہنے سے ہوتا ہے گو بالکل اس کے برابر نہ ہوگا
مگر اس کے قریب ضرور ہوگا۔

۱۸۵ جب پھولوں کا موسم چاہئے تو اب اس کی خوشبو گلاب سے حاصل کرنی
چاہئے، گلاب میں بھی پھول کی خوشبو مل سکتی ہے۔ اسی طرح آفتاب چھپ جائے
تو اب چرائے سے روشنی حاصل کرنی چاہئے یہ مشاہدہ ہے کہ اہل اللہ کے کلام
میں نور ہوتا ہے۔

عورتیں بزرگوں کے ملفوظات اور احوال جو موجود ہیں ان کو دیکھتی رہا کریں
اور مردوں کو بھی بزرگوں کی تصانیف اور ان کے ملفوظات و احوال کا مطالعہ
کرتے رہنا چاہئے۔ (حقوق الزوجین ص ۱۳ و غلا الکمال فی الدین للنسائی)

حضرت تھانویؒ کی مجلس کی برکت اور اس کے فائدے

فرمایا اگر یہاں پردہ بیکس کوئی رہ لے تو اور کچھ نہیں لیکن انشاء اللہ
فہم دین (تفہیم فی الدین) تو اس کو ضرور حاصل ہو جائے گا۔ اور یہی اصل چیز
ہے ایک بار فرمایا کہ دین تو اس کا سنبھلے گا ہی انشاء اللہ دنیا بھی اس کی درستی
ہو جائے گی۔ واقعی حضرت کے یہاں دنیا کے بھی عجیب غریب انتظامات دیکھنے
میں آتے ہیں جن کو اگر دستور العمل بنایا جائے تو دنیاوی زندگی بھی نہایت
راحت و آرام سے بسر ہوئے۔ (حسن العزیزہ ص ۲۵۰)

حضرت تھانویؒ کے ملفوظات و مواعظ

(ایک طالب کو تحریر فرمایا) میرے مواعظ کثرت سے دیکھا کرو اس سے
انشاء اللہ بہت نفع ہوگا اور جلد ہوگا۔ مواعظ میں خدا کے فضل سے سب

البتہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری بیشک ضروری ہے۔ اس لیے کہ ان واقعات سے احکام ثابت ہوتے ہیں جن کا اتباع کیا جائے پھر ان کے جمع کرنے میں احتیاط کس درجہ کی لگی ہے باقی بزرگوں کے حالات قابل اتباع تھوڑی ہیں۔ (القول الجلیل ص ۲۹)

حضرت تھانویؒ کی وصیت اور قرمان

میں نے کہہ دیا ہے کہ بھائی میری سوانح عمری نہ لکھی جائے میں نے جو کچھ اپنے قلم سے مضامین لکھ دیئے وہی میری سوانح عمری ہے اس میں میری وہ غلطیاں بھی ہیں جو دوسرے مقتد نہ لکھتا میں نے خود اس کو اپنے قلم سے لکھ دیا ہے بس میں تو اس میں خوش ہوں۔ ہمارے بزرگوں کو اس کا اہتمام نہ تھا دیکھ لیجئے حضرت میاں جی یعنی دادا پیر کی سوانح عمری کسی نے نہیں لکھی مولانا یعقوب صاحب کی سوانح عمری کسی نے نہیں لکھی۔ حضرت حاجی صاحب کی سوانح عمری کسی نے نہیں لکھی البتہ مولانا قاسم صاحب کی سوانح عمری مولانا یعقوب صاحب نے لکھی تھی۔ سوا دل تو راوی بے شک ایسے تھے۔ دوسرے روایت مختصر لکھی ہے جتنی لکھی ہے مغز ہے۔ (القول الجلیل ص ۲۸، ۲۹)

چونکہ محبت میں اکثر مذاخ غیر واقعہ مشہور کر دیئے جاتے ہیں اس لیے میں اپنی سوانح لکھا جانا پسند نہیں کرتا۔ اگر کسی کو بہت ہی بے تابی کا شوق ہو اور دوسرے اہل تدین و تحقیق بھی اجازت دیں تو روایت میں شدید احتیاط کو واجب سمجھنا چاہیئے۔ درنہ میں بڑی ہوتا ہوں۔ (اشرف السوانح ص ۳ ج ۳)

سوانح عمری کا نفع۔

بعض احباب نے اس حق کے کچھ حالات۔ کچھ مقالات ملقب بہ

”اشرف السوانح“ اس غرض سے جمع کیے ہیں کہ مطالعہ کرنے والوں کو اور بالخصوص ان میں جو احقر سے دینی تعلق رکھتے ہیں ان کو علمی و علمی نفع ہو اور مدت طویلہ تک جس کی حد اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے باقی رہے۔

اگرچہ میرے حالات و مقالات قابل نفع نہیں نیز پہلے سے ہر قسم کا علمی و علمی ذخیرہ امت کے ہاتھ میں موجود ہے جو جدید ذخیرہ سے مستفنی کرنے والا ہے مگر اس کے ساتھ ہی انا عند ظن عبیدی جی (میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں) کی حدیث کی بنا پر سنت اللہ یہ ہے کہ جس شخص کے ساتھ حسن ظن ہوتا ہے اور اس کے حالات و مقالات سے نفع کا گمان ہوتا ہے اس سے نفع کے حاصل ہونے میں خاص سہولت ہوتی ہے اس موقع پر احقر نے بھی ان کے اس فعل میں مزاحمت نہیں کی۔ گو یہ فعل میری وصیت اذنی میری طبیعت کے بھی خلاف ہے۔ مگر اسی توقع مذکور پر ان کی مخلصانہ خدمت کو گوارا کر لیا گیا۔ (التبلیغ شکر السوانح صفحہ ۶۹ ج ۲)

سوانح عمری کا ثبوت، (اللہ کی نعمت)

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قال الله تعالى حکایة عن دعاء ابراهیم علیہ السلام واجعل لی لسان صدق فی الاخرین۔

اس وقت میرا مقصود صرف اس آیت کے متعلق بیان کرنا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت حق میں عرض کر رہے ہیں کہ اے اللہ ایک دعا میں یہ بھی کرتا ہوں کہ میرے نفع کے لئے آئندہ آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر یا بعنوان دیگر نیک نام جاری اور باقی رکھے۔ ذکر خیر ترجمہ ہے لسان صدق کا۔۔۔۔۔ ابراہیم علیہ السلام کے دعا مانگنے سے معلوم ہوا کہ بقار

ذکر خیر فی الاخرین۔

لوگوں میں ذکر خیر اور نیک نام سنانا ایک بڑی نعمت ہے جو طلب کے قابل ہے اور ان دعاؤں کا خالص دینی ہونا ظاہر ہے جس کی طرف کلمہ لی کے لام میں اشارہ قریب طرحاً ہے کیونکہ لام نفع کے لئے ہے اور ظاہر ہے کہ بعد والوں میں رجوع آخرین کا مدلول ہے کسی کا ذکر خیر رہنا کسی دینی نفع کا سبب نہیں ہو سکتا پس لامحالہ وہ دین ہی کا نفع ہے اور وہ ثواب ہے یعنی وہ لوگ میرے طریق پر چلیں جس پر مجھے زیادہ ثواب ملے اسی کو ایک آیت انا نحن نحی الموتی ونکتب ما قد مواد اتارہم میں آثار سے ظاہر فرمایا چنانچہ حدیث میں من سن سنة حسنة الخ کی تائید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آیت کو تلاوت فرمانا (کما فی الدر المنثور) اس نفع تفسیر بالثواب کی صاف دلیل ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ بقار الذکر فی الاخرین (بعد کے لوگوں میں ذکر خیر باقی رہنا) یہ بھی ایک بڑی دینی صنف ہوئی اور نعمت کے تمام افراد مطلوب ہیں کما قال اللہ تعالیٰ واسبع علیک نعمہ ظاہرہ وباطنہ۔

اور اس مطلوب نعمت کے حاصل کرنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک صورت کسی شخص کے حالات و مقالات کی تدوین و اشاعت بھی ہے جو عادت اس شخص کے مدت دراز تک بقار ذکر خیر کا ذریعہ ہے اور اس شخص کے ذکر کے لئے دعا کا یہ سبب ہوگا اور سبب ہوگا قابل اتباع افعال میں مسلمانوں کی اقتدار کا اور شہداء اللہ فی الارض کے حسن ظن کی برکت سے سبب ہوگا۔ اس شخص کے جبر نقص (کو تباہیوں کی تلافی) اور عطار کی تکمیل کا۔
(شکرا السوانح التبلیغ ص ۸)

سوانح عمری لکھنے غرض و غایت اور اس کا فائدہ

حدیث میں ہے جو کہ لوح کی عبارت میں مذکور ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اخى الرجل الرجل فليست له عز اسمه واسم ابیه وممن هوفانه اوصل للمودة (ترمذی)

اگر سوانح عمری سے اغرض محض مجبین کی زیادت معرفت کے واسطے ہو اور اس کے واسطے سے زیادت محبت ہو تو یہ حدیث لوح کے موافق ہے۔ پھر کوئی وجہ ہی شبہہ کی نہیں ہے (اشرف السوانح ص ۱ ج ۱)

زندہ شخص کی سوانح عمری لکھنے میں بے احتیاطی کے دو پہلو۔

ایک تو بے احتیاطی ہے کہ زندہ شخص کے متعلق یہ (سوانح) ہے جو اکثر اہل طریق کے معمول کے خلاف ہے جس کی حکمت اس حدیث میں مذکور ہے۔ من کان مستنقفا لیستقن بمن قد مات فان المحی لا یومن علیہ الفتنہ۔ (جمع الفوائد)

اور اکثر اس لیے کہا گیا کہ بعض اکابر نے خود بھی اپنے سوانح لکھے ہیں جیسے جلال الدین سیوطی اور عبد الوہاب شعرانیؒؒ کما یبلغنی عن بعض البشقات۔ اور ایک احتیاط یہ ہے کہ روایت میں افراط و تفریط کا احتمال بہت کم ہو جاتا ہے جس کا وقوع اکثر خوش اعتقادوں کے غلو سے ہو جاتا ہے۔ اور اسی بنا پر میں نے وصیت کے ضمیمہ میں بتا کر منع کیا ہے کہ میری سوانح عمری

نہ لکھی جائے۔

سوا س سے افراط و تفریط کا احتمال کم ہو جاتا ہے کیونکہ صاحب واقعہ اس کی تنقید کر سکتا ہے اور اس مصلحت کے اہم ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔
(اشرف السوانح ص ۱۲۰ ج ۱)

سوانح عمری یا ملفوظات کے بیان کردہ فقہی مسائل کی اہمیت۔

ایک معتد بہ حصہ لکھا ہوا دیکھنے پر ایک حکمت یہ بھی مشاہدہ میں آئی کہ واقعات خاصہ کے ضمن میں بہت سے مسائل کی تیقح ہو گئی ہے اور ان کی تدوین (تیقح گو مقصوداً بھی ہو سکتی ہے اور ہوئی بھی ہے لیکن واقعات چونکہ ان کے لئے بمنزلہ شواہد کے ہو گئے اس لیے اس طرز سے وہ اوضح و اوقع فی النفس (زیادہ واضح اور دلنشین) ہو گئے۔ آخر کوئی وجہ ہے کہ تکرار نے مجید میں عبرتوں اور حکمتوں کے ساتھ قصے بھی ذکر فرمائے گئے ہیں۔ (اشرف السوانح ص ۱۲۰ ج ۱)

ملفوظات اور سوانح لکھنے والے قابل شکر ہیں۔

ما سالہ اشرف السوانح میں میرے لیے اس نعمت کا سامان کیا گیا ہے۔ تو اس کی تدوین اور نشر کے داعی میرے لیے وسائل نعمت (نعمت حاصل ہونے کا ذریعہ) ہوئے اور منعم تحقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کے شکر کے بعد واسطہ نعمت کا شکریہ بھی مامور ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (جس نے لوگوں کا شکر نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر نہیں کیا) اور

۱۷۲
 اہل شکر کا ایک طریقہ ایک حدیث میں دعا اور ثنا کرتا بھی وارو ہے۔ من صنع
 الیہ معروف فقال لفاعلہ جزاک اللہ خیراً فقد ابلغ فی الثناء۔ جس کے
 ساتھ کوئی اچھا سلوک (احسان) کیا گیا اور اس نے احسان کرنے والے کو دعا
 میں جزاک اللہ کہہ دیا تو اس نے ثنا کرنے میں کسر نہیں اٹھا رکھی (ترمذی)
 اس لئے میں اس جلسہ میں ایسے صاحبوں کے لئے دعا بھی کرتا ہوں جو ثنا
 پر بھی دل ہے (کما سبق فی الحدیث المذکور انفا)

اور دوسرے حضرات سے بھی دعا کی درخواست کرتا ہوں
 (التبلیغ و عطا الشکر ص ۲۷۰)

تصنیف مقبول ہونے کا راز اور صاحب ہدایہ کی کتاب مقبول ہونے کی وجہ۔

۱۷۲
 (یہ سب ان حضرات کے خلوص و ثلثیت کی برکت تھی) ان حضرات
 کے خلوص کی یہ کیفیت تھی کہ صاحب ہدایہ کی تصنیف
 جب تک پوری نہیں ہوئی۔ برابر روزے رکھتے تھے اور طرفہ یہ کہ کسی کو
 روزہ رکھنے کی خبر نہیں ہوئی خدا جانے کتنے سال میں ہدایہ لکھا ہوگا۔ برابر
 روزہ رکھتا اور کسی کو خبر نہ ہونا کس قدر احتیاط کی بات ہے۔ ہر دانہ مکانے
 میں بیٹھ کر لکھتے تھے۔ لونڈی (باندی) مکان سے کھانا لاتی تھی اور رکھ کر چلی
 جاتی تھی۔ جب کوئی مسافر نا آشنا سامنے سے گزرتا اس کو وہ کھانا دے
 دیتے۔ لیکن چونکہ اپنے مخصوصین سے پردہ نہیں ہوتا۔ اس لئے تحدیث
 بالنعمة کے طور پر کبھی خاص لوگوں سے یہ قصہ ذکر فرمایا ہوگا۔ اس لیے
 ہم تک منقول ہوا۔ اس خلوص کی برکت سے ان کو نور فہم عطاء ہوا ہے اور
 ان کے خلوص کی برکت ہے کہ کتاب اتنی مقبول ہوئی (دعوات عبدیت ص ۱۷۲ ذم ہوئی)



ہماری مطبوعات

- تحفہ خواتین : مولانا عاشق الہی لدنی
بلند شہری
- اسلامی شادی : مولانا اشرف علی تھانوی
- رسول اکرم کا طریقہ نماز : مولانا مفتی
جمیل احمد ندوی
- اسلامی تہذیب : مولانا
اشرف علی تھانوی
- اندازِ نبی : طلباء کے لیے تحفہ اسلامی تہذیب
مولانا مجید الدین مظاہری
- تحفہ زوجین : مولانا اشرف علی تھانوی
- الیکمیا : ترجمہ : حسین الدین جوہوری
- آسان طب : حکیم بدر الدین و صدیقی
- مناقبِ سیدنا معاویہ : علامہ ابن حجر مکی
ترجمہ : مولانا عبدالستار کورکسٹری
- عورتوں کی نماز : مولانا مفتی محمد کبیری
مولانا سید محمد قریشی
- تحفہ التکاح : مولانا محمد الہیوم البیہری
- گلستہ حر و لعن : مولانا عبدالحی اشرفی
- عملیات و تعویذ کے شرعی احکام : مولانا اشرف علی تھانوی
- خلفائے راشدین : مولانا عبدالستار کورکسٹری
- آداب تقریر و تصنیف : اشرف علی تھانوی
- اسلامی نام : جناب محمد مختار
- تعلیم الاسلام : مولانا مفتی
کنایت اللہ دہلوی
- جدید مسائل کے شرعی احکام : مولانا
منہج محمد علی
- ماکولات و مشروبات : حکیم فیضان الدین
- گلستہ مجربات : حکیم اللہ بخش
فیروز پوری
- عوام میں رواج پانے والے
۱۲۵ غلط مسئلے : مولانا
اشرف علی تھانوی
- مردوں، عورتوں کے مخصوص مسائل : جناب محمد عبدالرحمان
- ٹی وی وی سی آر شریعت کی نظر میں : مولانا خورشید حسن قاسمی
- اصلاح الرسوم : مولانا اشرف علی تھانوی

مکہ کتاب گھس (دوسری منزل) اردو بکازار
الکتاب ماہ کیٹ لاہور